ماہ نامہ

همدرد

نونہال

اپریل ۱۹۸۹ء

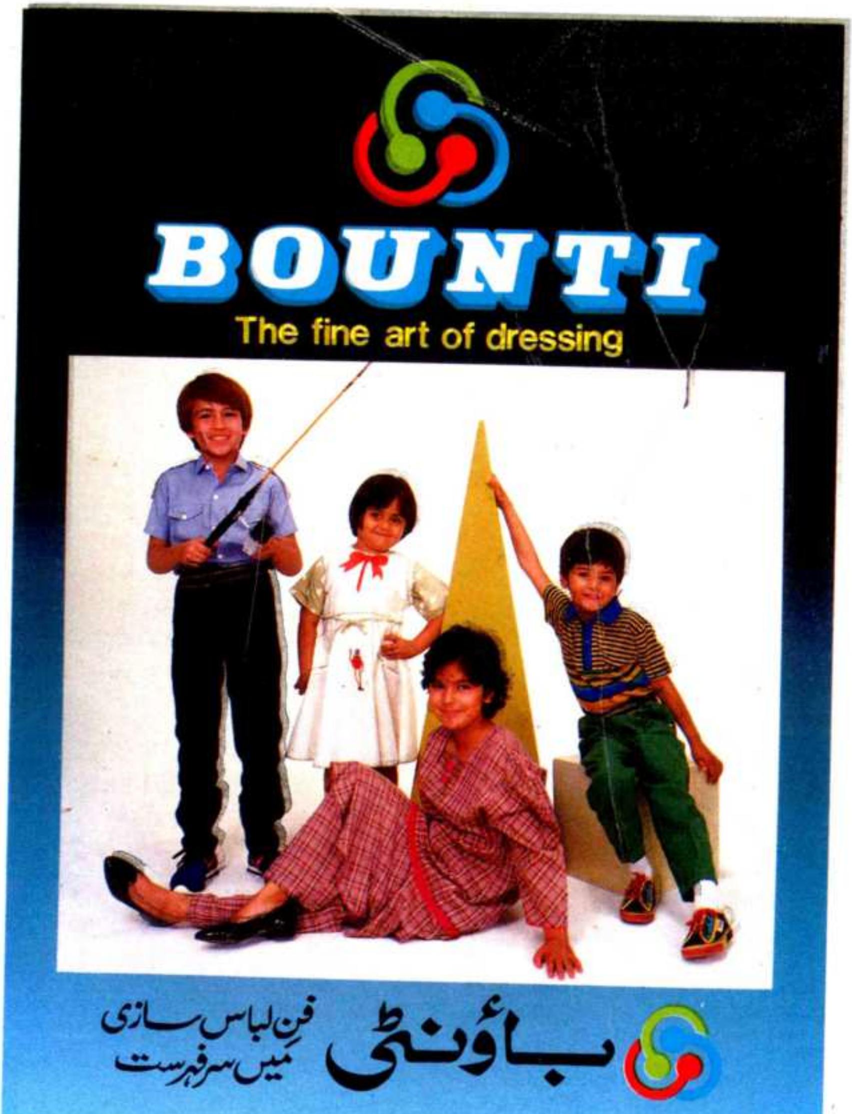

SCAN K.T.F.
PARAGON

ڈنڈے والا قرض دار صفحہ ۱۷ پر پڑھیے

نادان موچی صفحہ ۴۵ پر پڑھیے

بڑا بھائی صفحہ ۲۱ پر پڑھیے

طوطے کی بات صفحہ ۱۹ پر پڑھیے

فون: 616001 سے 616005 (پانچ لائنیں)

رُکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

ہمدرد نونہال

مجلس ادارت

صدر مجلس: حکیم محمد سعید

مدیر اعلا: مسعود احمد برکاتی

مدیرۂ اعزازی: سعدیہ راشد

ISSN 0259 - 3734

شعبان / رمضان ۱۴۰۹ ہجری
اپریل ۱۹۸۹ عیسوی
جلد : ۳۷ شمارہ : ۴
فی شمارہ : ۵ روپے
سالانہ : ۵۵ روپے
سالانہ (رجسٹری سے) : ۱۰۳ روپے

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق محفوظ رکھیں۔

پتا : ہمدرد نونہال ہمدرد ڈاک خانہ
ناظم آباد کراچی ۔ ۷۴۶۰۰

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی سے شائع کیا

اس رسالے میں کیا ہے

جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید	۳
پہلی بات	مسعود احمد برکاتی	۴
گلدستہ	ننھے گل چیں	۵
میری ناؤ کے ناخدا (نظم)	جناب جمشید آفاق	۷
روزے کا مقصد	عتیق الرحمن صدیقی	۸
ایک مکمل کہانی	جناب میرزا ادیب	۱۰
ڈنڈے والا قرض دار	جناب شان الحق حقی	۱۷
تو تے کی بات	مسعود احمد برکاتی	۱۹
بڑا بھائی	محترمہ ذکیہ بلگرامی	۲۱
مشورے (نظم)	جناب قمر ہاشمی	۲۸
طب کی روشنی میں	جناب حکیم محمد سعید	۲۹
دانہ دانہ	نونہالانِ نکتہ داں	۳۳
ہمدرد دانش انسائیکلو پیڈیا	جناب علی ناصر زیدی	۳۷
مینو گڑیا	آنسہ گل رُخ	۴۱
ایک ننھی تتلی (نظم)	جناب اقبال فریدی	۴۴
نادان موچی	سلیمان اختر علوی میاں	۴۵
قشر بے ۔ جھینگے	جناب ڈاکٹر منظور احمد	۴۹
سائنسی میلا ۱۹۸۹	غزالہ شبیر بیں	۵۵
وچچا غالب	مجیب ظفر انوار	۵۷
سام پہ کیا گزری (۳)	سید اظفر مہدی	۶۱
بزم ہمدرد نونہال	مرزا ظفر بیگ	۶۸
بانس بڑے کام کی چیز ہے	سید رشید الدین احمد	۷۷
کس ملک میں کیا وقت ہوگا	احمد خاں خلیل	۸۲
معلومات عامہ ۲۷۶	ادارہ	۸۵
سائنسی اخبار	جناب اشرف نوشاہی	۸۶
ایک کھلا خط	قادر خان	۸۸
کھل کھلائیے	ننھے مزاح نگار	۹۰
صحت مند نونہال	ادارہ	۹۲
ایک نو عمر خوش نویس	ادارہ	۹۳
نونہال ادیب	ننھے لکھنے والے	۹۵
آدھی ملاقات	ننھے قارئین	۱۱۱
معلومات عامہ ۲۷۴ کے جوابات	ادارہ	۱۱۷
نونہال لغت	ادارہ	۱۲۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

رمضان کا مہینہ رحمتوں، برکتوں، سعادتوں اور نعمتوں کا مہینہ ہے۔ اس کی آمد پر ہر مسلمان خوش ہوتا ہے اور روحانی امیدوں کے ساتھ اس مہینے کا استقبال کرتا ہے۔ اس میں چھوٹے بڑے، امیر غریب، عورت مرد، مشرقی مغربی، شمالی جنوبی، کالے گورے کی تمیز نہیں۔ فرق ہے تو بس ایمان اور عقیدے کا۔ جس کا ایمان جتنا مضبوط ہوتا ہے وہ اتنی ہی خوشی کے ساتھ رمضان کے آنے سے خوش ہوتا ہے، اور رمضان کے آنے کے بعد روزے، نماز اور قرآن شریف پڑھ کر اللہ کو خوش کرتا ہے اور روحانی ترقی حاصل کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب بھی رمضان ہی میں نازل ہونی شروع ہوئی۔ قرآن حکیم ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ یہ تمام دنیا کے انسانوں کی رہنمائی کے لیے ہے۔ اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے میں تمام انسانوں کی بھلائی اور نجات ہے۔ قرآن ہمیں زندگی گزارنے کا سیدھا اور سچا راستہ بتاتا ہے۔ قرآن پڑھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ جو شخص قرآن جتنا زیادہ پڑھتا ہے اتنا ہی وہ ثواب کماتا ہے۔ ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ قرآن کو سمجھ کر پڑھیں اور اس کی ہدایتوں پر عمل کریں۔ قرآن کی ہدایتوں پر عمل کرنے سے ہمارے اخلاق سنور سکتے ہیں۔ ہمارا کردار اعلا ہو سکتا ہے۔ ہماری عادتیں دُرست ہو سکتی ہیں۔ قرآن پڑھنے سے مسلمانوں میں باہمی محبّت بھی بڑھتی ہے۔ وہ ایک دُوسرے کے قریب ہوتے ہیں اور ان میں ایک دوسرے کے کام آنے کا جذبہ بڑھتا ہے۔

رمضان میں روزانہ قرآن کی تلاوت کرو اور کم سے کم ایک آیت کا ترجمہ بھی پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کرو۔

اداز اخلاق

تمھارا دوست اور ہمدرد
حکیم محمد سعید

پہلی بات

۱۹۸۹ء کا چوتھا شمارہ پیش ہے۔

امتحان سر پر آگئے۔ آپ کی پوری توجہ امتحان کی تیاری پر ہوگی۔ بڑی اچھی بات ہے۔ جو نونہال سال بھر پڑھتے ہیں وہ اس زمانے میں بھی زیادہ فکر مند نہیں ہوتے۔ خیر پریشان ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ اب جو بھی وقت باقی ہے اس میں خوب پڑھیں اور یاد کریں۔ جب بہت تھک جائیں تو تھوڑی دیر ہمدرد نونہال پڑھ لیں۔ بس باقی چیزیں امتحان کے بعد پڑھنا۔ نونہال آپ کو تفریح پہنچائے گا۔ دماغ کے لیے تفریح بھی ٹانک کا کام کرتی ہے۔ امتحان کے بعد ہمیں اپنی رائے لکھیے کہ خاص نمبر کس مہینے میں نکالیں اور کیا قیمت رکھیں۔

فروری میں ہم نے لکھا تھا کہ اگر ہمدرد نونہال موجودہ کاغذ کے ساتھ ساتھ سفید کاغذ پر بھی چھاپا جائے اور قیمت آٹھ دس رُپے ہو تو کیسا رہے۔ بعض نونہال اس کا مطلب یہ سمجھے کہ موجودہ کاغذ اور قیمت کا رسالہ بند کر کے مہنگا رسالہ نکالا جائے گا۔ نہیں، موجودہ شکل اور موجودہ قیمت میں تو رسالہ شائع ہوتا ہی رہے گا۔ پوچھا یہ تھا کہ اس کے ساتھ ساتھ سفید اچھے کاغذ پر بھی رسالہ شائع کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ سفید کاغذ کی وجہ سے قیمت بڑھ جائے گی۔ بہت سے لوگ زیادہ پیسے خرچ کر سکتے ہیں اور زیادہ خوب صورت رسالہ خریدنا چاہتے ہیں۔ گویا اس رسالے کو عام ایڈیشن سمجھیے اور وہ جو نکالنے کی تجویز ہے اس کو ڈی لکس ایڈیشن سمجھیے۔ تو بتائیے ڈی لکس ایڈیشن کتنے نونہال خریدنا چاہتے ہیں۔

جب سے سفرنامہ دو مسافر دو ملک رسالے میں چھپا تھا نونہالوں کی بہت خواہش تھی کہ وہ کتابی شکل میں بھی شائع ہو اور میں نے وعدہ کیا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ وعدہ پورا ہو گیا۔ دو مسافر دو ملک خوب صورت کتاب کی شکل میں چھپ گئی ہے۔ اسی کے ساتھ جوہر قابل کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہو گیا ہے۔ اس کی بھی عرصے سے ضرورت تھی۔

مسعود احمد برکاتی

گل دستہ

★ **حضور اکرمؐ** : جس کو مسلمان کا غم نہ ہو، وہ میری اُمت میں سے نہیں ہے۔

مرسلہ: نوید ظفر انوار، کراچی

★ **حضرت علیؓ** : معافی نہایت اچھا انتقام ہے۔

مرسلہ: شرما شناء اللہ، دولت پور صفن

★ **بو علی سینا** : محبت کے لحاظ سے ہر باپ یعقوبؑ اور حُسن کے لحاظ سے ہر بیٹا یوسفؑ ہے۔

مرسلہ: ثمینہ کوثر، راؤ گھن

★ **خلیفہ مامون الرشید** : شیریں کلام اور خوش اخلاق آدمی سے محبت کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

مرسلہ: عصمت اللہ کو بھر، گڈھ بیراج

★ **شیخ سعدیؒ** : دوسروں کے پوشیدہ عیب ظاہر نہ کرو۔ اس طرح تم انھیں تو ذلیل کرو گے ہی، خود کو بھی ناقابلِ اعتبار ثابت کر دو گے۔

مرسلہ: ندیم قیصر سکندری، حیدر آباد

★ **برنارڈ شا** : ہم اکثر و بیش تر غلطیاں کرتے ہیں اور اس خوش فہمی میں رہتے ہیں کہ غلطی کسی کھڑکی سے کود کر باہر نکل گئی ہے۔ حال آنکہ وہ دروازے پر بیٹھی ہوتی ہے۔

مرسلہ: شبانہ صدیقی، دولت پور صفن

★ **ارسطو** : لگن کے بغیر کسی میں ذہانت پیدا نہیں ہوتی۔ مرسلہ: زبیدہ عبدالعزیز میمن، ڈیفو کا پڑ

★ **وکٹر ہیوگو** : تحمّل بہترین مذہب ہے۔

مرسلہ: شارق صدیقی، کراچی

★ **گوئٹے** : صداقت صرف ایک ہی ہے، کوئی دوسری نہیں۔ صداقت کے وجود کے لیے عقل مند لوگ بحث نہیں کرتے۔ مرسلہ: شاہدہ فیروز، کراچی

★ **ہربرٹ اسپنسر** : امن چاہتے ہو تو کانوں اور آنکھوں کا استعمال کرو اور زبان بند رکھو۔

مرسلہ: ناصر ادریس، جبڑانوالہ

★ **کنفیوشس** : جو مان گیا کہ اس سے غلطی ہو گئی ہے اور اُسے ٹھیک نہیں کرتا وہ ایک اور غلطی کر رہا ہے۔ مرسلہ: حمیرا عبدالرزاق ٹینگریو، حیدر آباد

★ **جبران خلیل جبران** : لالچ ایک ایسے جوشیلے گھوڑے کی طرح ہے جو اپنے سوار کو لے کر سرپٹ دوڑتا ہے اور جب چاہتا ہے اسے کھائی میں گرا کر نئے سوار کی تلاش میں چل پڑتا ہے۔ مرسلہ: طاہر علی، لاہور

Everyone loves to eat

mayfair Toffees and Sweets

■ Milk Bon Bon ■ Orange Candies.
■ Coconut Candies. ■ Deluxe Toffees ■ Assorted Candies.
■ Tattoo Toffees ■ Honey Candies.

And now another
offer from the house of Mayfair

Milka Chew
Fruta Chew
Minta Chew

mayfair **Bubble**

You will love it because it is the only juicy bubble that makes

big big Bubbles.

mayfair The Sweet Favourites.

AFI Asian Food Industries (Private) Limited.
Shernaz House, West Wharf Road, Karachi, Pakistan.
Phones: 201612, 201617 Cable: BON BON Telex: 25482 AFI PK

ADARTS AFI 1/86

مری ناؤ کے ناخدا آپ ہیں

جمشید آفاق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شکستہ دلوں کی دُعا آپ ہیں
اندھیروں میں نُور و ضیا آپ ہیں
مری سوچ میں آپ کا نور ہے
مرے دل میں رہتے سدا آپ ہیں
کلامِ خدا آپ کا ہے کلام
بلا شبہ رَبّ کی رضا آپ ہیں
مجھے کیا ڈرائیں گے طوفاں بھلا
مری ناؤ کے ناخدا آپ ہیں
عقیدت کا ہیں اعلا معیار آپ
محبت کا اکمل صِلا آپ ہیں
مرے دل میں ہے آپ سے روشنی
مرے گھر کا جلتا دیا آپ ہیں
ہوں آفاقؔ سائل درِ پاکؐ کا
میں طالب ہوں اور مُدّعا آپ ہیں

عتیق الرحمان صدیقی

روزے کا مقصد

رمضان کا مہینہ کیا ہی نرالی شان رکھتا ہے۔ بڑی سج دھج سے نمودار ہوتا ہے اور بڑی شان و شوکت سے خوشیوں کا پیغام دے کر ہم سے رخصت ہو جاتا ہے۔ ہر سُو نیکیوں کے پھول کھلتے ہیں اور فضا میں ایک روشنی سی پھیل جاتی ہے۔ جسے دیکھو اللہ کی بندگی میں مصروف ہے اور اس سے گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہا ہے۔ دن میں روزے سے ہے اور رات کو چٹائی پر کھڑا قرآن پاک سُن رہا ہے۔ ابھی اس کی آنکھ لگی اور پھر سحری کھانے کے لیے اُٹھ بیٹھا۔ وضو کیا اور اللہ کی بڑائی بیان کرنے لگا۔ دن بھر بھوکا پیاسا رہا۔ اِدھر سورج ڈوبا اُدھر اس نے اللہ کے حضور ہاتھ اُٹھائے اور یوں گویا ہوا:

"اے میرے بڑائی والے اللہ! اے میرے بادشاہ! تو میرا مالک ہے۔ تیرے سوا اور کوئی میرا معبود نہیں۔ میرے بڑے گناہوں کو تو معاف کر دے، اس لیے کہ بڑی شان والا ہی گناہوں کو معاف کر سکتا ہے۔"

یہ عظمت اور بڑائی رمضان کے مہینے کو اس لیے ملی کہ اس میں اللہ نے قرآن نازل کیا اور مسلمانوں پر روزے فرض کیے اور اپنے بندوں کے لیے ایک ایسی رات مقرر فرمائی جو خیر و برکت میں ایک ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے اور اس مبارک مہینے کو 'شہر اللہ'، یعنی اللہ کا مہینہ کہا۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

"رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور اس میں ایسی واضح تعلیمات ہیں جو سیدھی راہ دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ لہٰذا اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے اس کو لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے۔ اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا، اس لیے یہ طریقہ تمھیں بتایا جا رہا ہے تاکہ تم روزوں

کی تعداد پوری کر سکو اور جو ہدایت اللہ نے تمھیں بخشی ہے اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو اور اس کے شکر گزار بنو" (البقرہ)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رمضان تمام مہینوں کا سردار ہے، اس مہینے کا پہلا حصّہ رحمت ہے، دوسرے میں مغفرت اور بخشش ہے اور تیسرا حصّہ دوزخ سے رہائی اور نجات کا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں حضورؐ نے فرمایا کہ اس مہینے میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنی خوشی سے کوئی نفل نیکی کرے وہ دوسرے مہینوں کے فرض کے برابر اجر و ثواب پائے گا اور جو کوئی ایک فرض ادا کرے تو دوسرے مہینوں کے ستّر فرضوں کے برابر اَجر پائے گا۔

ہر سال مہینے بھر کے روزے اللہ نے اس لیے فرض کیے کہ بندہ صحیح معنوں میں اس کا فرماں بردار بن جائے وہی کچھ کرنے کے لیے جس کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہے اور ہر اس کام سے بچنے لگے جس سے باز رہنے کی اس نے ہدایت فرمائی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا "جب تو روزے رکھے تو لازم ہے کہ تو اپنے کانوں، اپنی آنکھوں، اپنی زبان اور اپنے جسم کے سارے اعضا کو اللہ کی ناپسندیدہ باتوں سے روک رکھے۔" حضورؐ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق روزے رکھنے سے بندے میں ایک ایسی قوت پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ شیطان کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جس طرح لڑائی میں تمھارے پاس ڈھال ہوتی ہے جو دشمن کے حملوں سے تمھیں بچاتی ہے اسی طرح یہ روزہ تمھارے لیے ڈھال ہے جو جہنّم سے بچانے والی ہے۔ پیارے نبیؐ نے یہ بھی فرمایا کہ ہر گندگی کو دُور کرنے والی کوئی نہ کوئی چیز اللہ نے بنائی ہے۔ اور جسم کو پاک کرنے والی چیز روزہ ہے اور روزہ آدھا صبر ہے۔ معلوم ہوا کہ روزہ نہ صرف بندے کو بُرائیوں سے بچاتا ہے بلکہ اس کے جسم کو بیماریوں سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔

روزے کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ اللہ کے بندے اس عظیم نعمت کا شکریہ ادا کریں جو قرآن کی صورت میں انھیں ملی ہے اور اس شکر گزاری کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے تیار کریں جس کے لیے اس نے انھیں پیدا کیا ہے اور روزہ اس کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس سے نہ صرف اللہ کے حقیقی حاکم ہونے کا یقین پیدا ہوتا ہے بلکہ بھوکا پیاسا رہ کر ایک دوسرے کے لیے ہمدردی اور غم خواری کے جذبات بھی اُبھرتے ہیں اور یہ احساس مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جاتا ہے کہ اللہ کی نگاہ میں امیر و غریب اور خاص و عام سب ایک جیسے ہیں۔ مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ ان کا فرض یہ ہے کہ وہ ایک اور نیک بن کر رہیں، دوسروں کو بھلائی کی دعوت دیں اور بُرائی سے روکیں۔

ایک مکمل کہانی

میرزا ادیب

شاہد علی، آصف اور کوکب کے سگے ماموں تو نہیں تھے مگر وہ ان دونوں سے سگے ماموں سے بڑھ کر پیار کرتے تھے اور یہ بچّے بھی انھیں اپنا حقیقی ماموں ہی سمجھتے تھے۔ شاہد علی شہر کی ایک بہت بڑی فیکٹری میں کسی بڑے عہدے پر فائز تھے۔ اپنی ذمّے داریاں پوری کرنے کے لیے عام طور پر دور دراز ملکوں کا سفر کرتے رہتے تھے۔ جب بھی کہیں جاتے تھے تو ڈیڑھ دو ماہ سے پہلے نہیں آتے تھے۔ اس مدت میں آصف اور کوکب ان کا بڑی بے چینی سے انتظار کرتے رہتے تھے۔ اس بے تابی سے انتظار کرنے کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ شاہد علی جب بھی کسی سفر سے لوٹتے تھے تو اپنے بھانجے اور بھانجی کے لیے کچھ تحفے ضرور لاتے تھے۔ یہ تحفے بڑے خوب صورت ہوتے تھے اور دونوں انھیں سنبھال سنبھال کر رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ شاہد علی دو ماہ سے بھی زیادہ باہر رہے۔ آصف اور کوکب ہر روز ان کا انتظار کر رہے تھے۔ آخر وہ آ گئے۔ انھوں نے معمول کے مطابق دونوں کو خوب صورت اور قیمتی تحفے تو دیے ہی، یہ بھی کہنے لگے:

"آج میں تمھیں ایک چھوٹا سا تحفہ بھی دینا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا ہے؟" دونوں ایک دم بول پڑے۔

"بچّو!" وہ کہنے لگے، "یہ کوئی مادّی شے نہیں ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی کہانی ہے۔"

دونوں کو یہ بات عجیب سی معلوم ہوئی، کیوں کہ اس سے پہلے کبھی انھوں نے کوئی کہانی نہیں سُنائی تھی۔

"کہانی ماموں جان؟" اب کے بھی دونوں ایک ساتھ بولے۔

"ہاں بچّو! کہانی ہی سمجھ لو۔ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ اس کہانی میں ہے وہ تمھیں بھی معلوم ہو جائے۔"

"تو سُنائیے ماموں جان!"

بچّے کہانی سُننے کے لیے بالکل تیار تھے، مگر کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ آصف اور کوکب کی امّی شاہد علی سے مخاطب ہو کر بولیں، "بھائی جان، پہلے کھانا کھا لیں۔ بعد میں جی بھر کر ان سے باتیں کریں۔" کھانا کھانے کے بعد شاہد علی اور دونوں بچّے پائیں باغ میں چلے گئے اور ایک بنچ پر بیٹھ گئے۔

نوکرانی چاے لے آئی۔ کوکب ہی چاے بنایا کرتی تھی۔ چناں چہ وہ چاے بنانے لگی تو شاہد بولے:

"یہ کہانی، عام کہانیوں جیسی نہیں ہے۔ اس میں نہ تو کسی بادشاہ کا ذکر ہے اور نہ کسی گڈریے کا۔ میں ایک ایسے لڑکے کی کہانی سُنانا چاہتا ہوں جو یتیم ہو چکا تھا۔ گھر میں صرف اس کی ایک بڑی بہن تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ اس لڑکے کا نام سلیم تھا۔ اس کے والد نے اپنے بچّوں کے لیے کوئی جائداد نہیں چھوڑی تھی۔ دونوں یعنی سلیم اور اس کی باجی نازیہ اسکول میں پڑھتے تھے جب ان کے والد نے وفات پائی۔ والد کی وفات کو ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ ان کی امّی بھی انھیں وسیع دنیا میں تنہا چھوڑ کر چلی گئیں۔

"یہ تو بڑی مصیبت تھی،" کوکب نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"مصیبت سی مصیبت ۔ مگر کوکب بیٹی! یہ دونوں بہن بھائی حقیقت میں ہمت ہارنے والے نہیں تھے ۔ انھیں ان کی ماں نے بتایا تھا کہ جو شخص ہمت سے کام لیتا ہے اس کی اللہ ضرور مدد کرتا ہے ۔ یہ بات انھیں یاد تھی اور انھیں اللہ کی مدد کا پورا پورا یقین بھی تھا۔

ایک رات وہ دیر تک نہ سو سکے اور یہ سوچتے رہے کہ اب انھیں کیا کرنا چاہیے۔ آخر وہ ایک نتیجے پر پہنچ گئے۔ نازیہ سات جماعتیں پڑھ چکی تھی ۔ وہ گلی کے ایک چھوٹے سے اسکول میں بچّوں کو پڑھانے لگی ۔ سلیم نے کوئی کام تو سیکھا ہی نہیں تھا۔ دکان داری وہ نہیں کر سکتا تھا۔ کاروبار میں حصہ لینا اس کے لیے ممکن نہیں تھا، کیوں کہ اس کے پاس سرمایہ نہیں تھا۔ اس کا ایک دوست بازار میں بیٹھ کر بُوٹوں پر پالش کیا کرتا تھا۔ سلیم بھی کبھی کبھی اس کے پاس بیٹھ کر کچھ دیر اُسے کام کرتے ہوئے دیکھا کرتا تھا۔ اس نے سوچا کہ میں بھی یہ کام کر سکتا ہوں۔ اس کے لیے بہت تھوڑے پیسوں کی ضرورت ہو گی۔ پالش اور بُرش خریدنا ہوگا اور اس کی باجی نے جب اُسے تنخواہ ملی تو اُسے یہ چیزیں مہیا کر دیں۔"

شاہد ماموں خاموش ہو گئے ۔

"آگے کہیے کیا ہوا؟" آصف نے کہا۔

"آگے سنو بچّو! جیسا کہ میں نے شروع ہی میں کہہ دیا تھا کہ یہ عام کہانیوں جیسی کہانی نہیں ہے ۔ یہ تو ایک ایسے لڑکے کی کہانی ہے جو بوٹ پالش کر کے ہر روز دو تین رُپے کما لیتا تھا اور جو کچھ کماتا تھا اپنی باجی کے حوالے کر دیتا تھا۔"

"بڑا اچھا بھائی تھا۔" آصف نے اس کی تعریف کی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو آصف! لو اب کہانی کا آغاز ہوتا ہے ۔ سلیم نے بازار میں ایک جگہ کا انتخاب کر کے کام شروع کر دیا۔ پہلے روز ہی اُسے دو رُپے کی آمدنی ہو گئی۔ آج تو ایک رُپے کی کوئی اہمیت نہیں ہے ۔ رُپیہ آنے کے برابر سمجھا جاتا ہے مگر وہ پرانا زمانہ تھا۔ ایک رُپے کی بھی بڑی قدر تھی ۔ اس شام سلیم دو رُپے لے کر گھر آیا اور اس نے وہ رُپے اپنی باجی کو دیے تو وہ بڑی خوش ہو گئی اور بولی، "واہ وا بھیا! تم نے تو کمال کر دیا ہے ۔"

سلیم اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولا، "باجی! میں جلدی گھر آگیا ہوں ۔ ایک گھنٹے اور کام کرتا تو ایک آدھ رُپیہ اور کما سکتا تھا۔"

"نہ بھیا! ہمیں زیادہ پیسوں کی ضرورت نہیں ہے ۔ شام سے پہلے پہلے گھر آجایا کرو۔"

سلیم محنت اور دلچسپی سے کام کرنے لگا مگر چند روز کے بعد اسے ایک مشکل پیش آئی۔"
"کیا مشکل؟" کوکب نے سوال کیا۔
"مشکل یہ تھی کہ سلیم کا اڈّا پھلوں کی ایک دُکان کے سامنے تھا۔ سلیم کے اڈّے پر ہر وقت دو تین آدمی اپنے بوٹوں پر پالش کرانے کے لیے کھڑے رہتے تھے۔ یہ بات پھل بیچنے والے کو بالکل پسند نہیں تھی۔ وہ ہر روز کسی نہ کسی طریقے سے سلیم کو تنگ کرنے لگا۔ کبھی کہتا، اپنے اڈّے پر اتنے لوگ اکٹّا مت کیا کرو۔ میرے گاہکوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ کبھی کہتا تم نے اپنا اڈّا بنا کر میری دُکان کے آگے بڑی جگہ گھیر لی ہے۔ یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔
سلیم ہر روز اس کی کڑوی کڑوی باتیں سُنتا تھا اور برداشت کر لیتا تھا۔ ایک روز دُکان دار نے اسے بڑا پریشان کر دیا اور وہ اپنا اڈّا بدلنے پر مجبور ہو گیا۔ گھر آکر اس نے اپنی باجی سے اس کا ذکر نہ کیا، کیوں کہ وہ سمجھتا تھا اس سے اس کی باجی کو تکلیف ہوگی۔
دوسری جگہ موقعے کے اعتبار سے پہلی جگہ جیسی نہیں تھی، لیکن سلیم بڑا محنتی اور ایمان دار تھا۔ وہ پورا پورا وقت ایک ایک بوٹ کو دیتا تھا۔ پوری طرح اسے چمکا کر اسے گاہک کو دیتا تھا۔ پھر وہ اُجرت بھی مناسب ہی لیتا تھا۔ اس لیے یہاں بھی لوگ آنے لگے اور اس کی آمدنی میں کوئی فرق نہ پڑا بلکہ یہ پہلے سے زیادہ ہو گئی۔ اب یہاں بھی ایک مشکل پیش آگئی۔
"یہاں بھی مشکل؟" کوکب نے حیرت سے کہا۔
"دیکھو کوکب بیٹی! دنیا میں جو شخص بھی ایمان داری اور فرض شناسی سے اپنی ذمّے داری نبھاتا ہے اس کی راہ میں مشکلیں آتی ہی رہتی ہیں۔" شاہد علی نے کہا۔
"تو اب کیا مشکل تھی؟"
"ہوا یہ کہ سلیم کی آمدنی روز بہ روز بڑھتی چلی گئی۔ ایک بُرے آدمی نے اس کے اڈّے پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ سلیم کے اڈّے پر بیٹھ کر یہی کام کرے گا تو خوب کمائے گا۔ ایک روز وہ بُرا آدمی اپنے بُرے دوستوں کے ساتھ وہاں آیا اور سلیم سے کہنے لگا،
"یہ میرا اڈّا تھا۔ میں بیمار ہو کر ہسپتال میں داخل ہو گیا اور تم نے اس پر ناجائز قبضہ کر لیا۔ یہاں سے چلے جاؤ۔"
سلیم بولا، "نہیں بھائی صاحب! میں نے اِردگرد کے دُکان داروں سے پوچھ کر یہاں اڈّا جمایا تھا۔

کسی نے بھی مجھ سے آپ کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔" مگر وہ بُرا شخص کب ماننے والا تھا۔ اس نے زبردستی سلیم کو وہاں سے نکال دیا۔ دُکان داروں کی بھی اس کے آگے کوئی ایک نہ چلی۔ اس بُرے آدمی نے زیادہ زیادتی یہ کی کہ سلیم کی چیزیں بھی چھین لیں۔ اسے مارا پیٹا بھی۔

سلیم گھر آیا تو زخمی تھا۔ اس نے اپنی باجی سے اس واقعے کا ذکر نہ کیا مگر اس کی باجی کسی لڑکے سے یہ واقعہ سُن چکی تھی۔ وہ رو پڑی۔ سلیم بولا:

"باجی! کیوں دل چھوٹا کرتی ہیں آپ۔ میں کوئی ہمت ہارنے والا لڑکا ہوں۔ وہاں نہ سہی کہیں اور سہی۔"

اور چند روز بعد ایک شخص نے اسے ملازم رکھ لیا۔ سلیم سے اس نے کہا، "تم سارا دن کام کرنا۔ سارا سامان میں تمھیں دوں گا۔ میں تمھیں ہر روز ڈھائی رُپے دے دیا کروں گا۔ تم جو کچھ شام تک کمانا وہ ایمان داری کے ساتھ مجھے دے دیا کرنا۔"

سلیم نے یہ شرط مان لی۔

سلیم ہر روز جو رُپے کماتا تھا وہ پورے کے پورے اس شخص کو دے دیتا تھا۔ یہ رقم بھی دس بارہ رُپے سے کم نہیں ہوتی تھی۔ سلیم ڈھائی رُپے لے کر خوش خوش گھر چلا جاتا تھا۔ چھے مہینے بیت گئے۔ دنیا میں بُرے آدمیوں کے ساتھ اچھے آدمی بھی ہوتے ہیں۔ وہ شخص ایک اچھا آدمی تھا۔ وہ سلیم کی ایمان داری دیکھ کر اس قدر متاثر ہوا کہ ایک روز کہنے لگا:

"سلیم! میں تم سے بہت خوش ہوں۔ آج سے ہمارا معاہدہ ختم۔ اب جو کچھ کمایا کرو گے وہ تمھارا اپنا ہو گا۔"

یہ بات سُن کر سلیم کا دل باغ باغ ہو گیا اور وہ زیادہ محنت کرنے لگا۔"

اتنا کہہ کر شاہد علی خاموش ہو گیا۔

وہ دونوں بڑی توجہ سے ماموں جان کی باتیں سُن رہے تھے۔ انھیں یک دم خاموش پا کر بولے،

"آگے ماموں جان!"

"آگے؟" ماموں ہنس پڑے۔

"کیوں ماموں جان!" کوکب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"سلیم کے ساتھ پھر کیا ہوا؟" آصف نے پوچھا۔

شاہد علی بولے، "بچّو! میں نے تم سے کہا تھا کہ آج تمھیں ایک لڑکے کی کہانی سناؤں گا۔ وہ سُنا دی ہے۔"

"بس!" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"اور کیا۔"

"یہ کہانی تو نہ ہوئی ماموں جان، نامکمل ہے۔" کوکب نے قدرے مایوس ہو کر کہا۔

شاہد علی کہنے لگے، "بیٹی! تم دونوں بھول گئے ہو کہ میں نے شروع میں ہی کہہ دیا تھا کہ یہ کہانی جو میں تم لوگوں کو سُنا رہا ہوں عام کہانیوں جیسی نہیں ہے۔"

یہ کہہ کر وہ مسکرا کر اُٹھ بیٹھے اور چلے گئے۔ وہ دونوں سوچتے ہی رہ گئے کہ یہ کیسی کہانی ہے۔ اس کا انجام آخر کیا ہوا؟

دو روز گزرے تو شاہد علی ایک صبح سویرے ان کے ہاں آ گئے۔

"بچّو! آج ایک جگہ مجھے ناشتے پر جانا ہے۔ اگر تم بھی میرے ساتھ چلو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔"

دونوں فوراً تیار ہو گئے۔

وہ ایک بڑی شان دار حویلی کے اندر گئے تو دیکھا کہ ایک کمرے کے باہر ایک شخص بوٹوں کا ڈھیر اپنے سامنے لگائے ان پر پالش کر رہا ہے۔ دونوں سمجھ گئے کہ یہ ایک نوکر ہے مگر اب ان کے ماموں نے بڑے ادب اور احترام سے اس شخص سے کہا،

"میاں جی! یہ ہیں میرا پیارا بھانجا اور پیاری بھانجی۔ آصف اور کوکب ان کے نام ہیں۔"

"خوش آمدید پیارے بچّو! ڈائننگ کمرے میں چلو۔ میں ابھی فارغ ہو کر آتا ہوں۔"

جب آصف اور کوکب ایک عالی شان کمرے میں میز کے گرد کرسیوں میں بیٹھے، تو وہ بڑے حیران پریشان تھے۔

"ماموں جان! یہ ....."

"پوچھنا چاہتے ہو یہ کون ہے جو بوٹوں پر پالش کر رہا ہے؟ یہی بات ہے نا؟"

"جی ہاں۔"

"بچّو! یہ ہماری فیکٹری کے مالک ہیں، کروڑپتی میاں سلیم احمد۔"

"وہی سلیم ....."

"ہاں بچّو! وہی سلیم جس کی کہانی میں نے چند روز پہلے تمھیں سنائی تھی۔"
وہ صاحب آ گئے۔ شاہد علی فوراً تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔
"میاں صاحب! ان بچّوں کو یقین نہیں آتا کہ آپ ہی وہ سلیم ہیں جو ایک زمانے میں بازار میں لوگوں کے بوٹ پالش کیا کرتے تھے۔" شاہد علی نے کہا۔
"بچّو!" میاں صاحب کہنے لگے، "تمھارے ماموں جان بالکل درست کہتے ہیں۔ میں ہی وہ سلیم ہوں۔ اللہ نے میری محنت قبول فرمائی۔ میں آج اپنی محنت کی بدولت شہر کی سب سے بڑی فیکٹری کا مالک ہوں۔"
آصف اور کوکب ابھی تک حیران تھے کہ میاں صاحب بولے، "دیکھو بچّو! تم نے مجھے آج بھی بوٹ پالش کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ یقیناً حیران ہو گئے۔ مگر اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں چھٹی کے روز گھر کے سارے لوگوں کے جوتے پالش کر کے خوشی محسوس کرتا ہوں۔ یہ میرا مشغلہ ہے بچّو! اسی سے تو مجھے اتنا کچھ ملا ہے۔"
یہ کہہ کر وہ بچّوں کے ساتھ ایک کرسی میں بیٹھ گئے اور میز پر پُر تکلف سامان آنے لگا۔
شاہد علی بولے، "بچّو! کیا اب وہ غیر مکمل کہانی ـــ مکمل ہو گئی ہے؟"
آصف اور کوکب دونوں بول اُٹھے، "جی ہاں ماموں جان!"

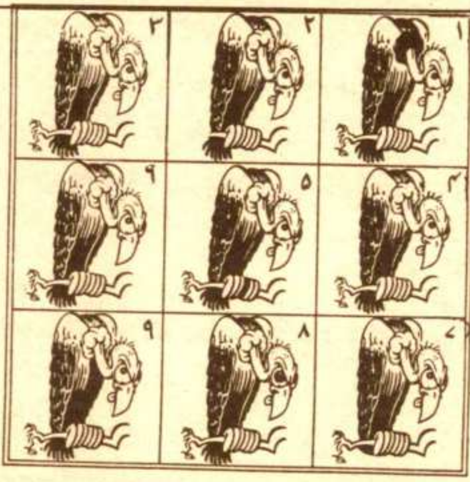

پہچانیے
گدھ کی اِن نو تصویروں میں دو تصویریں ایسی ہیں جو ایک دوسرے سے ہو بہو ملتی ہیں۔ بتائیے ان تصویروں کے نمبر کیا ہیں۔
جواب صفحہ ۱۲۳ پر دیکھیے۔

ڈنڈے والا قرض دار

شان الحق حقّی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے کچھ رُپیہ قرض لیا۔ مگر ٹھیریے پہلے کچھ قرض کی بات ہو جائے۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ قرض مانگنا بُری بات ہے۔ ہمارے سَر قُدرت کی طرف سے اتنے قرضے ہیں کہ ہم اور زیادہ قرضوں کا بار نہیں اُٹھا سکتے۔ ان میں پہلا قرضہ تو ماں باپ کا قرضہ ہے۔ وہ اگر ہماری پرورش نہ کریں تو ہم بڑے کیسے ہوں اور پھر زندہ کیسے رہیں۔ پھر کچھ قرضے اپنے ملک اور قوم کی طرف سے بھی ہمارے ذمّے ہیں۔ کیا آدمی دنیا میں اکیلا رہ سکتا ہے؟ لاکھوں آدمی لاکھ طرح کے کام کرتے ہیں تب ہماری ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ کسان، کاری گر، دُکان دار، معمار، مزدور، دوست احباب، ہمسائے، عزیز، رشتے دار، حکیم، ڈاکٹر غرض ساری آبادی بلکہ پوری دنیا مل کر زندگی کو ہمارے لیے ممکن اور خوش گوار بناتی ہے۔ شرافت، خود داری اور بھلے مانسی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم خود بھی اپنے آپ کو دنیا کے لیے مفید بنائیں۔

ذکر قرضے کا تھا۔ اتنے قرضوں کا بوجھ سر پر ہوتے ہوئے بھی کچھ لوگ قرض لینے سے باز نہیں آتے۔ لیتے ہیں تو واپس کرتے ہوئے دل دُکھتا ہے۔ طرح طرح کے حیلے حوالے کرتے ہیں۔ قرض دینے والا عاجز ہو جاتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ قرض محبّت کی قینچی ہے۔ دوستی کی جگہ عداوت کا سبب بن جاتی ہے۔

آج ہم آپ کو ایک ایسے ہی ذات شریف کی کہانی سُناتے ہیں جنھوں نے ایک شخص سے رُپیہ قرض لیا اور ادا نہ کیا۔ آخر اُس نے ان کے خلاف عدالت میں نالش کر دی۔

قاضی نے دونوں کو بُلایا۔ اُس شخص نے بڑی ڈھٹائی سے کہا کہ مجھے ان کا کچھ دینا نہیں ہے۔ کوئی رسید پرچہ تو تھا نہیں۔ قاضی نے دونوں کو حلف اُٹھانے کو کہا۔ رُپیہ دینے والے نے حلف اُٹھا کر کہا کہ اس شخص پر میرے اتنے رُپے قرض ہیں جو اس نے ادا نہیں کیے۔ اب قرض دار کی باری آئی۔ یہ صاحب ایک موٹا سا عَصا یا ڈنڈا اپنے پاس رکھتے تھے اور بڑے بزرگ نظر آتے تھے۔ انھوں نے بھی حلف اُٹھا کر کہہ دیا کہ میں ان کا رُپیہ ادا کر چکا ہوں اور خود ان کے ہاتھ میں دیا ہے۔

قاضی صاحب بڑے حیران ہوئے۔ کس کا اعتبار کریں کس کا نہ کریں! انصاف کرنے کے لیے ذہانت اور قیافہ شناسی کی بھی ضرورت ہوتی ہے، یعنی لوگوں کے چہرے سے ان کے دل کا حال معلوم کرنا۔ قاضی صاحب تھوڑی دیر سوچ میں رہے۔ پھر انھوں نے قرض دار سے اس کا عَصا مانگا۔ دیکھا تو اس کی موٹھ یعنی ہتّھے میں ایک پیچ بنا ہوا تھا۔ اُسے گھما کر دیکھا تو اس میں سے رُپے نکل آئے۔

آپ سمجھ گئے کہ اُس آدمی نے کیا چالاکی کی تھی؛ قسم کھاتے وقت اپنا عَصا دوسرے آدمی کو پکڑا دیا تھا کہ ذرا اسے تھامنا میں حلف اُٹھا لوں۔ اس طرح کہنے کو رقم اس کے ہاتھ میں پہنچ گئی تھی، مگر ان کی چالاکی کچھ کام نہ آئی۔ قاضی نے ان پر بھاری جُرمانہ اور ٹھونک دیا۔

- آنسو اُس وقت مقدس ہوتے ہیں جب دوسروں کے دُکھ میں بہیں۔
- ہیبت ناک دشمن سے زیادہ خطرناک وہ ہے جو دوست بن کر دھوکا دے۔
- سچائی کو نیچا دِکھانا ناممکن ہے۔
- اگر آپ خزانے کی تلاش میں ہیں تو اپنی زندگی کا ایک حسین مقصد تلاش کیجیے۔

کہانی ایک چھوٹی سی

توتے کی بات

مسعود احمد برکاتی

ایک کسان کے گھر میں ایک چڑیا پلی ہوئی تھی۔ وہ انسانوں کی بولی جانتی تھی اور جو کچھ دیکھتی تھی وہ بیان کر دیتی تھی۔ کسان اس کو بہت پسند کرتا تھا اور وہ بھی کسان کے گھر میں بہت خوش تھی۔ ایک بار کسان کا ایک دوست اللہ بخش دوسرے گاؤں سے اس کے ہاں آیا۔ اصل میں اللہ بخش نے اپنے دشمنوں سے ڈر کر کسان کے ہاں پناہ لی تھی۔ کسان نے چڑیا کو سمجھا دیا کہ اگر کوئی پوچھے بھی کہ تمھارے ہاں کوئی مہمان آیا ہوا ہے تو اقرار مت کرنا۔

اللہ بخش کے دشمنوں کو اندازہ تھا کہ وہ کہاں چُھپ سکتا ہے۔ چناں چہ وہ کسان کے گھر پہنچ گئے اور چڑیا نے ان کو بتا دیا کہ اللہ بخش ہمارے ہاں آیا ہوا ہے۔ اب کیا تھا۔ دشمن گھر میں گُھس آئے اور اللہ بخش کو کھینچ کر لے گئے۔ کسان کو چڑیا پر بہت غصّہ آیا۔ اس نے چڑیا کو مار کر گھر سے نکال دیا۔

چڑیا ماری ماری پھرتی رہی۔ اس کو بے وفا سمجھ کر کسی انسان نے اپنے گھر میں نہیں رکھا۔ اسی پریشانی میں اس کی مُڈبھیڑ ایک توتے سے ہوئی۔ توتا بھی آدمی کی بولی جانتا اور بولتا تھا۔ چڑیا نے کہا کہ انسان بے وفا ہوتا ہے اور اپنی بپتا سنائی۔ چڑیا نے توتے کو مشورہ دیا کہ وہ کسی انسان کے گھر میں نہ رہے۔ توتے نے بڑے اعتماد سے کہا کہ زندگی میں عقل سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں تمھیں اسی کسان کے گھر میں رہ کر بتاؤں گا۔

توتا کسان کے گھر پہنچا۔ کسان جو اکیلا رہ گیا تھا بہت خوش ہوا اور بڑی چاہت سے توتے کو اپنے ساتھ رکھ لیا۔ دونوں آرام سے رہنے لگے۔ کسان جو کچھ کہتا توتا اُسے دُہراتا، لیکن جو کچھ دیکھتا اُسے منھ سے نہیں نکالتا۔

ایک دن توتے کو چڑیا ملی تو اس نے توتے سے حال احوال پوچھا۔ توتا بولا، "اللہ کا شکر ہے۔ بڑے آرام سے گزر رہی ہے۔"

چڑیا نے حیرت کا اظہار کیا۔

توتے نے اس کو سمجھایا کہ میں زیادہ نہیں بولتا۔ اپنے ساتھی کا بھید نہیں کھولتا۔ جو کچھ میرا مالک کہتا ہے میں وہی کرتا ہوں۔

چڑیا نے کہا کہ ابھی کتنے دن گزرے ہیں۔ ابھی تو تمھاری آؤ بھگت ہو رہی ہے۔ دیکھنا ایک دن کسان تمھیں نکال باہر کرے گا۔

توتے نے چڑیا کو سمجھایا، "میں اس کو تکلیف نہیں پہنچاؤں گا تو وہ مجھے عمر بھر نہیں نکالے گا۔ میں اس کے خلاف نہیں بولتا۔ ہمدردی کرو گے تو ہمدردی ملے گی۔" اب چڑیا کی سمجھ میں توتے کی بات آئی اور اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

واقعی توتا اور کسان زندگی بھر ساتھ رہے۔

بڑا بھائی

ذکیہ بلگرامی

جب کبھی میں ناصر بھائی سے لڑتا، اُونچی آواز میں انھیں جواب دیتا تو ابّو مجھے دھیمی آواز میں سمجھاتے:

"بیٹا! ناصر تمھارا بڑا بھائی ہے۔ اس سے مت جھگڑا کرو۔ اس کا کہنا مانا کرو۔ اس سے محبت کرو۔ تم دونوں محبت سے رہو گے تو میرا دل خوش رہے گا۔ بڑھاپے میں جب میرے بازو کم زور ہو جائیں گے تو تم دونوں میرے بازو بنو گے۔ بھائی بھائی میں پیار نہ ہو تو زندگی کی ناؤ کیسے پار لگے گی۔" ابّو کی بات کا میرے اوپر کوئی اثر نہ ہوتا۔ میں جانتا تھا کہ ناصر بھائی میرے سگے بھائی نہ تھے۔ وہ میرے سوتیلے بھائی تھے۔ امّی نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔ ناصر بھائی کی امّی فوت ہو چکی تھیں۔ ان کا رنگ بھی سانولا تھا، اسی لیے تو ناصر بھائی بھی کالے تھے، اپنی ماں جیسے۔ جب کہ میری امّی بہت خوب صورت تھیں، گوری رنگت والی۔ وہ کوئی کام نہ کرتی تھیں۔ ابّو کے کام بھی نوکر ہی کرتا

تھا۔ وہ ہر وقت بنی سنوری رہتیں۔ کتنی اچھی تھیں میری امّی بالکل شہزادی جیسی!

ناصر بھائی بہت ذہین تھے۔ اپنی جماعت میں اوّل آتے تھے۔ مگر وہ شریر بھی تھے۔ ان کی شرارت کا نشانہ اکثر میں ہی ہوتا تھا۔ میرے سوا اور گھر میں تھا بھی کون؟

جب کبھی ناصر بھائی مجھے تھوڑا سا تنگ کرتے، میں امّی کے پاس روتا ہوا جاتا اور ناصر بھائی کے خلاف جو کچھ منھ میں آتا کہہ ڈالتا۔ امّی ناصر بھائی کو بُلا کر خوب ڈانٹتیں، بُرا بھلا کہتیں۔ میرے آنسو خشک کر کے مجھے گلے لگاتیں۔ میں اپنی جیت پر خوش ہوتا اور پہلے سے زیادہ نڈر اور بدتمیز بن جاتا۔ اب آئے دن یہی ہونے لگا۔ بات بات پر امّی ناصر بھائی کو ڈانٹنے لگیں۔ ناصر بھائی جواب میں کچھ نہ کہتے۔ خاموشی سے امّی کی ڈانٹ سنتے۔ امّی ناصر بھائی کی شکایت ابّو سے بھی کرتیں مگر ابّو ناصر بھائی کو کچھ نہ کہتے۔

ایک روز عجیب تماشا ہوا۔

شام کو میں بیٹ اُٹھا کر کرکٹ کھیلنے گلی میں آیا۔ سب لڑکے جمع تھے۔ مجھے دیکھا اور زور زور سے ہنسنے لگے۔ پھر سب نے مل کر "بندر، بندر" کی رٹ لگائی۔ میں پریشان ہو گیا۔ میں نے کہا "تمھیں میری شکل بندر جیسی لگتی ہے؟"

اس پر میرے پڑوسی نادر نے کہا:

"حامد! تمھاری قمیص کے پیچھے بندر کا اسٹیکر چپکا ہوا ہے، اس لیے لڑکے تمھیں چھیڑ رہے ہیں۔"

میں نے اپنا ہاتھ پیچھے پھیرا۔ واقعی اسٹیکر چپکا ہوا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ ناصر بھائی کی شرارت ہے۔ میں پاؤں پٹختا ہوا گھر پہنچا۔ بیٹ اُچھال کر ایک طرف پھینکا اور دندناتا ہوا امّی کے پاس پہنچا۔ "امّی! آج ناصر بھائی نے مجھے بُری طرح ذلیل کروایا ہے۔ لڑکے میرا مذاق اُڑا رہے ہیں۔ ناصر بھائی نہیں چاہتے کہ میں بھی کرکٹ کھیلوں۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ میں گھر سے نکلوں ہی نہیں۔"

میں نے امّی کو پوری بات بتائی۔ امّی کو بھی تاؤ آ گیا۔ بات چھوٹی تھی مگر بڑھ گئی۔ امّی نے ناصر بھائی کو بُلا کر اچھی طرح ڈانٹا اور دو ہاتھ بھی جڑ دیے۔ پھر بولیں:

"تم حامد سے نفرت کرتے ہو، اسی لیے ایسی حرکتیں کرتے ہو۔"

"حامد میرا بھائی ہے میں اس سے پیار کرتا ہوں امّی!"

"خبردار! جو تم نے حامد کو اپنا بھائی کہا۔ تم حامد کے بھائی نہیں ہو، اور ہاں مجھے امّی مت کہا کرو۔ مجھے نفرت ہے تمھاری صورت سے۔"

ناصر بھائی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ چُپ چاپ وہاں سے چلے گئے۔ امّی نے ابّو سے بھی نہ جانے کیا کچھ کہا۔ ابّو نے بھی ناصر بھائی کو ڈانٹا۔ اس روز سے ناصر بھائی بالکل بدل گئے۔ اب گھر میں ہر وقت سنّاٹا رہتا تھا۔ ناصر بھائی نے شرارتیں کرنی چھوڑ دی تھیں۔ وہ ہر وقت پڑھائی میں لگے رہتے تھے۔ اس سال وہ آٹھویں جماعت کا بورڈ کا امتحان دے رہے تھے۔ میں چوتھی کلاس میں تھا۔

ہمارے امتحانات ہوئے۔ نتیجے بھی آ گئے۔ ناصر بھائی نے بورڈ میں پہلی پوزیشن حاصل کی تھی اور میں معمولی نمبروں سے پاس ہو گیا تھا۔ اس روز ابّو بے حد خوش تھے۔ اس روز امّی چھپ چھپ کر روئی تھیں۔ مجھے بھی ناصر بھائی کے فرسٹ آنے کی کوئی خوشی نہ تھی۔ پھر دن اسی انداز سے گزرنے لگے۔ اب امّی کے دل میں ناصر بھائی کی نفرت اور بڑھ گئی تھی۔ میں امّی کے خیالات میں برابر کا شریک تھا۔ مجھے بھی ناصر بھائی بہت بُرے لگتے تھے۔ ناصر بھائی کو اب وظیفہ بھی ملتا تھا۔ ہر جگہ ان کی عزت ہوتی تھی۔ ہر کوئی ناصر بھائی کے گُن گاتا تھا۔ یہ صورتِ حال امّی کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ امّی نے اب ناصر بھائی کے خلاف محاذ کھول دیا تھا۔

بات بے بات ناصر بھائی کو بُرا بھلا کہا جاتا۔ ابّو کے کان بھرے جاتے۔ اور اب تو امّی کے کہنے کے مطابق ناصر بھائی نے گھر میں چوری بھی شروع کر دی تھی۔ امّی کے پرس سے روزانہ رُپے غائب ہونے لگے تھے۔ امّی مستقل ابّو کے کان کھاتیں:

"ناصر بہت بگڑ گیا ہے۔ غلط صحبت ہے اس کی۔ میرے رُپے چوری کرتا ہے اور تاش کھیلنے اور سینما میں اُڑاتا ہے۔"

ابّو شاید امّی کی بات پر یقین نہیں کرتے تھے، اسی لیے ناصر بھائی کو کچھ نہ کہتے۔ ابّو اکثر سرکاری کام سے کراچی سے باہر جایا کرتے تھے۔ ایک دن ابّو تین دن کے لیے اسلام آباد گئے۔ امّی کے لیے یہ بہترین موقع تھا۔ ناصر بھائی کے میٹرک کے امتحان نزدیک تھے اور میں چھٹی کا امتحان دینے والا تھا۔ امّی نے اپنے زیور کا ڈبّا کھولا تو اس میں سے ایک قیمتی ہار غائب تھا۔ امّی نے ناصر بھائی پر ہار کی چوری کا الزام لگا کر انھیں گھر سے نکال دیا اور کہا:

"آئندہ اس گھر میں کبھی قدم نہ رکھنا۔ میں نہیں چاہتی کہ حامد پر تمھارا بُرا اثر پڑے۔"

ناصر بھائی ہمارے گھر سے چلے گئے۔

امّی مطمئن ہو گئیں۔ میں بھی خوش تھا۔ ابّو جب اسلام آباد سے واپس آئے تو انھیں امّی نے بتایا کہ ناصر گھر سے بھاگ گیا ہے۔

"مگر کیوں؟" ابّو بے حد حیران تھے۔

"وجہ تو آپ ہی کو پتا ہو گی۔ ناصر کی صحبت اچھی نہ تھی۔ وہ پڑھائی کے بہانے گھر سے باہر رہتا تھا۔ چوریاں کرتا تھا۔ ہو سکتا ہے پولیس اسے پکڑ کر لے گئی ہو۔ میرا ایک قیمتی ہار بھی گُم ہو چکا ہے۔ ناصر کے سوا اور کون میری الماری کھول سکتا ہے؟"

غرض یہ کہ امّی نے ناصر بھائی کے خلاف بہت کچھ کہا۔ ابّو صدمے سے نڈھال ہو گئے۔ کئی روز تک ابّو بے حد پریشان رہے۔ ابّو جو پہلے ہی سنجیدہ تھے اب اور زیادہ خاموش ہو گئے۔ ناصر بھائی کے سلسلے میں انھوں نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ امّی بھی کوئی فکر نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ ناصر بھائی کے جانے کے بعد مجھے من مانی کرنے کی آزادی مل گئی۔ میں گھنٹوں گھر سے باہر لڑکوں کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ پڑوس کے وی سی آر پر فلمیں دیکھتا۔ ہر بار امتحان میں فیل ہوتا۔ ابّو جب نتیجہ دیکھ کر مجھے کچھ کہتے تو میں فوراً کہہ اُٹھتا:

"ابّو! اس اسکول کی استانیاں بھی عجیب ہیں۔ کچھ پڑھاتی ہی نہیں۔ میں کس طرح سے پاس ہو سکتا ہوں۔"

امّی بھی میری حمایت میں بول اُٹھتیں:

"حامد ٹھیک کہتا ہے۔ آج کل اسکولوں میں پڑھائی ہوتی ہی نہیں۔ بچّے کس طرح پڑھیں۔"

ابّو خاموش ہو جاتے۔ امّی کی شہ پا کر میں اور بھی اکڑ جاتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سالانہ امتحان میں بھی فیل ہو گیا۔

امّی نے اسکول والوں کو خوب بُرا بھلا کہا۔ میں بھی زور شور سے بولتا رہا۔ ابّو نے مجھے ہمیشہ کی طرح سمجھانا چاہا مگر میں کچھ سُننا نہیں چاہتا تھا۔ فیل ہونے کے بعد میں اور بھی نڈر ہو گیا۔ پڑھائی سے دل چسپی ختم ہو گئی تھی۔ جب ناصر بھائی گھر میں رہتے تھے تو مجھے ٹوکتے رہتے تھے۔ ہاتھ پکڑ کر گھر لے آتے تھے۔ خود پڑھتے بیٹھتے تو مجھے بھی پڑھنے بٹھا لیتے تھے۔ اکثر ہوم ورک میں میری مدد کرتے تھے۔ مگر اب میں آزاد تھا۔ مجھے ٹوکنے والا کوئی نہ تھا۔ اب میں نے امّی سے جھوٹ بولنا شروع کر دیا۔ میں اکثر اسکول سے غائب رہنے لگا۔ ہر وقت دوستوں کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ امّی سمجھتیں کہ میں پڑھنے گیا ہوں۔ امّی کو کچھ خبر نہ تھی۔ اب تو میں نے امّی کی بات بھی سننی چھوڑ دی تھی۔ وہ کوئی بات کہتیں تو میں تڑخ کر جواب دے دیتا۔ سارا دن دوستوں کے ساتھ آوارہ پھرتا۔ ابّو صبح کے گئے شام کو گھر واپس آتے۔ انھیں میرے بارے میں کچھ زیادہ علم نہیں تھا۔ امّی تو ان سے ہمیشہ میری تعریف ہی کرتی تھیں۔

دوسری بار جب میں فیل ہوا تو امّی نے رو رو کر گھر سر پر اُٹھا لیا۔ ابّو نے مجھے ڈانٹا۔ سمجھایا بھی۔ مجھ پر کچھ اثر ہوا اور میں نے پڑھائی میں تھوڑی بہت دل چسپی لینی شروع کی مگر میری عادتیں بگڑ چکی تھیں۔ کتابیں مجھے بوجھ لگتی تھیں۔

کئی سال گزر گئے۔ میں نے کسی نہ کسی طرح معمولی نمبروں سے میٹرک پاس کر لیا۔ مگر اب میں زیادہ پڑھنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے امّی ابّو سے صاف کہہ دیا کہ پڑھائی میرے بس کی نہیں ہے۔

"پھر کیا کرو گے؟" ابّو بے بسی سے بولے۔

"کاروبار کروں گا۔ خوب دولت کماؤں گا۔ پڑھائی میں کیا رکھا ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

امّی ابّو میری وجہ سے پریشان رہتے مگر مجھے کوئی پروا نہ تھی۔ اب تو تعلیم کا بھی مسئلہ نہ تھا۔ خوب گُل چھرّے اُڑاتا میں جوان ہو گیا۔ میری زندگی ٹھاٹ سے گزر رہی تھی۔ میں بے حد خوش رہتا تھا۔ ناصر بھائی کا ہمارے گھر میں کبھی ذکر نہ ہوا۔ انھیں اس گھر سے گئے دس سال گزر چکے تھے۔ ابّو کی صحت آہستہ آہستہ گر رہی تھی۔ وہ اندر سے شاید ٹوٹ رہے تھے۔ ایک روز اچانک انھیں دل کا دورہ پڑا۔ میں گھبرا گیا۔ امّی بے حد پریشان تھیں۔ ابّو ہسپتال میں داخل تھے۔ ان کی حالت بہت تشویش ناک تھی۔ ہسپتال کے سبھی ڈاکٹر ابّو کا خیال کر رہے تھے مگر ایک ڈاکٹر ایسا بھی تھا جو چوبیس گھنٹے ابّو کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اس ڈاکٹر کی شکل ناصر بھائی سے بہت ملتی تھی۔ مجھے ایسا ہی لگتا تھا، مگر میں نے ان سے کوئی بات نہ کی۔ اس کا زیادہ موقع ہی نہیں آیا۔ ایک ہفتے ابّو ہسپتال میں رہے اور پھر انھوں نے ہم سے ہمیشہ کے لیے منھ موڑ لیا۔ ہم پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ امّی عدّت کے دن گزار رہی تھیں۔ ان کے خوب صورت لباس الماریوں میں بند ہو گئے تھے۔ امّی کی سُونی کلائیاں دیکھ کر میرا کلیجہ منھ کو آتا۔ جس مکان میں ہم رہتے تھے وہ سرکاری تھا۔ چھے مہینے بعد ہمیں یہ مکان خالی کر دینا تھا۔

"اب کیا ہو گا! ہم کہاں جائیں گے؟ ہمارے پاس تو سَر چھپانے کی جگہ بھی نہیں۔ تمھارے ابّو کی بے وقت موت نے ہم سے ہمارا سب کچھ چھین لیا۔"

امّی کی بات کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ میں کیا کہتا؟ کاش میں نے پڑھ لکھ کر کوئی مقام بنایا ہوتا تو آج میں اپنی بیوہ ماں کا سہارا ہوتا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا، وقت گزر چکا تھا اور میں خالی ہاتھ تھا۔

ابّو کی موت کو چھے مہینے ہو گئے تھے۔ اب ہمیں ایک ہفتے کے اندر اندر گھر خالی کر دینا تھا۔ سب رشتے داروں کو ہماری مجبوری کا علم تھا مگر کوئی بھی ہماری مدد کے لیے آگے نہ بڑھا۔ مجھ جیسے آوارہ نوجوان اور اس کی ماں کو بھلا کون اپنے گھر میں رکھنا پسند کرتا۔

ایک شام ہم دونوں اُداس بیٹھے تھے کہ دروازے کی گھنٹی بج اُٹھی۔ میں نے دروازہ کھولا تو سامنے وہی ڈاکٹر کھڑا تھا جو ناصر بھائی جیسا لگتا تھا۔

"کون ہے حامد؟" امّی نے پوچھا۔

"ہسپتال کے ڈاکٹر صاحب آئے ہیں۔"

"کون ڈاکٹر؟" امّی نے کہا۔
ڈاکٹر صاحب اندر آ گئے۔

"میں ناصر ہوں۔ آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں سول ہسپتال میں ڈاکٹر ہوں۔" امّی ناصر بھائی کو اپنے سامنے دیکھ کر حیران ہو گئیں۔ میں بھی دم بخود تھا۔

"مجھے آپ کے تمام حالات کا علم ہے۔ بلکہ میں ہمیشہ اس گھر کے حالات سے باخبر رہا۔ ابّو سے میں ہمیشہ پابندی سے ملتا رہا اور آخری دِنوں میں مجھے اللہ نے ان کی خدمت کرنے کا بھی موقع دیا۔ میں اس لیے پہلے یہاں نہیں آیا تھا کہ آپ لوگوں کو میری ضرورت نہ تھی۔ ابّو کا سایہ آپ کے اوپر موجود تھا مگر اب جب کہ ابّو اس دنیا میں نہیں ہیں یہ میرا فرض بھی ہے کہ میں اپنی بیوہ ماں کا سہارا بنوں۔ چھوٹے بھائی کے سَر پر ہاتھ رکھوں۔ آج میں آپ دونوں کو لینے آیا ہوں۔ آئیے آپ لوگ میرے گھر چلیے۔ اسے آباد کیجیے۔"

ناصر بھائی کی باتیں سُن کر امّی کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ میری آواز حلق میں پھنسنے لگی۔ میں نے کہا:

"ناصر بھائی! ہم بہت بُرے ہیں۔ بے حد بُرے۔ آپ عظیم ہیں۔"
ناصر بھائی نے محبّت سے مجھے دیکھا اور کہا:
"میں کچھ نہیں ہوں۔ صرف تمہارا بڑا بھائی ہوں۔"
یہ کہہ کر انھوں نے مجھے گلے لگا لیا۔ میں ان کے کندھے پر سَر ٹکا کر آنسو بہانے لگا۔

خطرناک غلطیاں

- اپنا راز کسی کو بتا کر پوشیدہ رکھنے کی درخواست کرنا۔
- آزمائے ہوئے کو دوبارہ آزمانا۔
- اپنے آپ کو سب سے زیادہ قابل اور عقل مند سمجھنا۔
- جو کام خود نہ کر سکے دوسروں کے لیے بھی ناممکن خیال کرنا۔
- اپنے والدین کی خدمت نہ کرنا اور اپنی اولاد سے اس کی توقع کرنا۔

مرسلہ: الماس محبوب، کراچی

مشورے

قمر ہاشمی

آؤ محنت کریں اور آگے بڑھیں
صرف پڑھتے رہیں اور لکھتے رہیں
صبح کو اُٹھ کے تھوڑی سی ورزش بھی ہو
یعنی صحت بنانے کی کوشش بھی ہو
سرپرستوں کو تکلیف دینا غلط
روٹھنا روٹھ کر پیسے لینا غلط
راہ کے پتھروں کو اُٹھانا ثواب
اور پڑوسی کا سودا بھی لانا ثواب
راہ چلتے ہوؤں کو نہ چھیڑو کبھی
کھیل کے وقت جائز ہے رسّا کشی
جو پڑھو یاد رکھو تم اپنا سبق
پھٹ نہ جائے کتابوں کا کوئی ورق
گھر کے لوگوں کو محنت کا عادی کرو
اور معذور لوگوں کی لاٹھی بنو
وہ دعا دیں تو فوراً کہو شکریہ
ہاتھ پونچھو تو کھونٹی سے لو تولیہ
گندگی سے بڑا کوئی دشمن نہیں
چیز اُٹھاؤ جہاں سے رکھو بھی وہیں
یہ سلیقہ بھی محنت ہی سے آئے گا
سب کا مستقبل اس سے سنور جائے گا

طبّ کی روشنی میں

حکیم محمد سعید

بال گر رہے ہیں

س : آج کل میرے بال بہت گر رہے ہیں۔ مہربانی کر کے اس کا کوئی علاج بتائیے۔
نظیر سندھی، کنڈکوٹ

ج : میرے پاکستانی بیٹے! اگر روزانہ صابون سے سر نہیں دھوتے تو اب سر دھونا شروع کر دینا چاہیے۔ سر میں لگانے کے لیے روغنِ ارنڈی (کیسٹرائل) اچھا ہوتا ہے۔

یاد داشت کم زور ہے

س : عمر ۱۲ سال۔ اسکول کا کام یاد کرتی ہوں اور پھر بھول جاتی ہوں۔ مجھے کوئی مشورہ دیں جس سے میرا دماغ صحیح طور سے کام کرنے لگے۔
اسما بشیر، کراچی

ج : ہاں، یہ بات صحیح ہے کہ بعض دماغ ایسے ہوتے ہیں کہ حافظے میں زیادہ دیر باتیں ٹھیرتی نہیں ہیں، مگر یہ مرض نہیں ہے، بلکہ صورت یہ ہے کہ انسان اپنے حافظے کی تربیت نہیں کر پاتا۔ دل چسپی سب سے بڑی چیز ہے۔ جو چیز اور جو بات دل چسپ ہو گی وہ زیادہ یاد رہے گی۔ اگر آپ کو کھانا کھانا یاد رہتا ہے تو پھر تو ہر چیز یاد رہنی چاہیے۔ علم اور معلومات سے دل چسپی جس قدر زیادہ ہو گی یادداشت اُسی قدر تیز ہو گی۔ حافظے کو طاقت دینے کے لیے مغز بادام کی صحیح شہرت ہے۔ رات دس دانے بادام پانی میں بھگو دیں، صبح خوب چبا کر کھالیں۔

سینے میں درد

س : عمر ۱۷ سال ہے۔ میرے سینے میں بائیں جانب کبھی شدید درد ہوتا ہے اور کبھی ہلکا درد ہوتا ہے۔ اس درد کو چار پانچ ماہ ہو گئے۔ جب اس درد میں شدّت پیدا ہوتی ہے تو میں ڈپریشن کا شکار ہو جاتی ہوں اور اگر ذرا بھی سوچتی ہوں تو سر میں درد کی شدید لہر اُٹھتی ہے۔
م۔ن، راول پنڈی

ج : یہ مقام قلب ہے۔ یہاں جسم کو سیراب کرنے والا ایک "آلہ" نصب ہے، جس کا نام دل ہے۔ اس میں انسان کا ضمیر بھی ہوتا ہے اور یہ احساساتِ روحانی کا مرکز بھی ہے۔ انسان جب روحانی اذیتوں میں ہوتا ہے تو قلب ہی اس کا اثر قبول کرتا ہے۔ اپنے ماحول کا جائزہ لیں اور اپنے فکر و نظر کو سیدھی اور صحیح سمت دیں۔ کسی کا دل نہ دُکھائیں تاکہ دوسرے آپ کا دل نہ دُکھائیں۔

خارش

س : عمر ۱۲ سال ہے۔ مجھے اور میرے گھر والوں کو سخت خارش ہے اور دانے بھی ہیں۔ ازراہِ کرم کوئی علاج بتائیں۔
محمد رُکن الدین، اسلام آباد

ج : گل مُنڈی میں اللہ تعالیٰ نے بے حد شفا رکھی ہے۔ ۶ گرام گل مُنڈی رات پانی میں بھگو دیں۔ صبح ذرا سا جوش دے کر چھان کر پی لیں، خارش اور دانے اچھے ہو جائیں گے۔ ہمدرد کی صافی کا ایک اہم جزو گل مُنڈی بھی ہے۔

کم زور جسم

س : عمر ۱۸ سال ہے۔ میں نے لاعلمی کی وجہ سے اپنی قوت ضائع کی ہے۔ میں اپنے جسم میں بہت کم زوری محسوس کر رہا ہوں، ذرا سا کام کرنے سے تھک جاتا ہوں۔

محمد عمران سلیمان، کراچی

ج : جو انسان فطرت سے بغاوت کرتے ہیں وہ راہیں بھٹک جاتے ہیں۔ جسمانی کم زوری، تھکن وغیرہ یہ تنبیہات (وارننگز) ہیں کہ سنبھل جاؤ، ورنہ ساری عمر پچھتاؤ گے۔ دواؤں کے چکّر میں نہ پڑیں، اپنی صحت پر توجہ کریں۔ ورزش کو اپنائیں، اعتدال سے غذائیں کھائیں، نیند پوری کریں، عبادت کریں، اس اندازِ زندگی میں خیر بھی ہے اور فلاح بھی۔

سفید داغ

س : عمر ۱۵ سال ہے۔ میرے چہرے پر سفید دودھیا داغ ہیں۔ کچھ چھوٹے ہیں اور ایک بڑا ہے۔ کریم کے استعمال سے داغوں میں فرق نہیں آیا۔
نور علی خان، خیرپور میرس

ج : دو چیزیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ آپ کی آنتیں ناصاف ہوں اور پیٹ میں کیڑے ہوں۔ ان کی وجہ سے چہرے پر سفید داغ آ جاتے ہیں۔ پیٹ صاف کر لینا چاہیے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو دوسری صورت برص کے مرض کی ہے۔ اگر ایسا ہے تو معالج سے مشورہ کرنا چاہیے۔

نزلہ زکام

س : میرے سَر میں پانچ سال سے درد ہے۔ نزلہ بھی ہے اور اب تو بلغم والی کھانسی بھی بہت شدت سے ہوتی ہے۔ میری نظر بھی کم زور ہے۔ چکّر آتے ہیں اور دائیں آنکھ سے تھوڑا سا اوپر بہت شدت سے درد ہوتا ہے۔

زین العابدین، حیدر آباد

ج : آپ دردِ نیم سر (شقیقہ) میں مبتلا ہیں جس میں نزلہ زکام سے اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ حسب ذیل نسخہ استعمال کر لینا چاہیے۔

صبح : خمیرہ نزلہ جواہر دار ۶ گرام

شام : وی سی ۲ عدد

رات : سومینا دو چمچے چائے برابر

سفید بال

س : میرے دوست کی عمر ۱۷ سال ہے۔ اُس کے بال سفید ہو رہے ہیں اور گر بھی رہے ہیں۔

شاکر قیوم خانزادہ، سکرنڈ

ج : ہاں بھائی، بات تو پریشانی کی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ کے دوست ننگے سر رہتے ہیں۔ بس دھوپ نے بال سفید کر ڈالے! خیر یہ تو مذاق کی بات ہوئی۔ آپ کے دوست کا مسئلہ پیدائشی اور موروثی ہے۔ یہ ایک جینیاتی (جینے ٹک) مسئلہ بھی ہے۔ اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ آپ کے دوست کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ قدرت پر شاکر رہنا چاہیے۔ زیادہ پریشانی سے بال سفید ہونے کا عمل تیز ہو سکتا ہے۔

چھوٹا قد

س : عمر ۱۸ سال۔ میرا قد ۵ فیٹ ۳ انچ اور وزن ۴۰ کلو گرام ہے۔ میں بہت کم زور دکھائی دیتا ہوں۔

عدنان حیدر، اسلام آباد

ج : اپنی غذا پر توجہ کیجیے اور ورزش کو معمول بنائیے۔ کوئی مناسب ورزش کرنی چاہیے۔ ورزش سے غددی نظام مقوی ہوتا ہے اور ان کی رطوبت خون میں شریک ہو کر زندگی کا سبب بنتی ہے۔ کشمش سے وزن بڑھ سکتا ہے۔ رات کو پھر دو تولے کشمش بھگو دیں صبح کھائیے۔

الائیڈ بینک کی ہر ساعت
خوشحال پاکستان سے عبارت

الائیڈ بینک کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ سرزمین
پاکستان پر قائم ہونے والا قدیم ترین بینک ہے۔
الائیڈ بینک اسلامی بینکاری کے نفاذ اور فروغ
سے ملکی خوشحالی کے لئے ہر ہر لمحہ مصروف عمل
ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اب کمپیوٹر
کی تنصیب کے بعد ہماری خدمات کے معیار اور ہمارے
کرم فرماؤں کی سہولتوں میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔

ALLIED BANK
الائیڈ بینک

PID - Islamabad 1-85 RR
PARAGON

دانہ دانہ

نونہالوں کے چُنے ہوئے مسکراتے جملے، دانائی کی باتیں، چونکانے والے قول، سنوارنے والے نکتے، اور عظیم ادیبوں کی تحریروں سے خوب صورت ٹکڑے

دُعا

مرسلہ: شازیہ بشریٰ لبنیٰ

آیئے ابھی وقت ہے کہ توبہ کرلیں اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑلیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح پیروکار بن جائیں۔ اپنے گھروں کو گندگی سے پاک کرکے ذکرِ الٰہی اور تلاوتِ کلام پاک سے آباد کریں۔ تمام بھائی اپنے اپنے گھروں سے ہر اس عمل کو نکال دیں جو قرآن اور سنّتِ رسولؐ سے مطابقت نہ کرتا ہو۔ اس کے علاوہ بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اللہ رب العزّت ہم پر رحم فرمائے۔

مومن کی پہچان

مرسلہ: ذیشان الحق عزیز، پشاور

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گُم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گُم اس میں ہیں آفاق

عِلم کا پیالہ

مرسلہ: ہما دیباج، کراچی

عِلم کے پیالے کو اپنے ہونٹوں سے لگالو۔ عِلم کا جو گھونٹ بھی تمھارے حلق سے اُترے گا، تمھارے دل اور دماغ کو روشن کرتا چلا جائے گا۔ اور یہی وہ روشنی ہے جو تم کو تنگ سے تنگ اور مشکل سے مشکل راستوں سے گزار کر منزلِ مقصود تک پہنچادے گی۔

دو گھونٹ، دو قطرے، دو قدم

مرسلہ: شہر ناشاء اللہ راجپوت، دولت پور صفن

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دو گھونٹ اللہ کو بہت پیارے ہیں۔ ایک غصّے کا اور دوسرا صبر کا۔
- اللہ تعالیٰ کو دو قطرے نہایت محبوب ہیں۔ ایک خون کا وہ قطرہ جو جہاد میں نکلے دوسرا آنکھ سے نکلے آنسو کا وہ قطرہ جو رات کی تنہائی میں صرف اللہ کے خوف سے نکلے۔
- دو قدم اس کی نظر میں بہت پسندیدہ ہیں۔ ایک وہ جو فرض کے لیے اُٹھے، دوسرا وہ جو کسی کی عیادت یا تعزیت کے لیے اُٹھے۔

چار مشورے

مرسلہ: شمیم حنیف، لطیف آباد

- وفا کے موتی پروتے رہوگے تو نفرت کے کانٹوں سے پاک رہوگے۔

■ خود کو بدل لو گے تو قسمت خود بخود بدل جائے گی۔
■ اگر کسی کے دِل میں جگہ پیدا کرنا چاہتے ہو تو اس کا پورا نام لے کر پکارو۔
■ ہر ایک کی سُنو مگر اپنا فیصلہ محفوظ رکھو۔

شعر

مرسلہ: سعدیہ جبیں، تین ہٹی

اب دن تو غروب ہو رہا ہے
سایوں کی طرح دراز ہو جا
تو شیشہ بنے کہ سنگ کچھ بن
اندر سے مگر گداز ہو جا

— شاعر: سلیم احمد

خوشی اور غم

مرسلہ: علیم الرحیم، قرنطینہ کالونی

جب بھی انسان کو خوشی ملتی ہے تو وہ یہ کیوں بھول جاتا ہے کہ اسے غموں کا بھی سامنا کرنا ہے۔ وہ خوشیوں کا ہی ہو کر رہ جاتا ہے۔ غم کے تصوّر سے گھبراتا ہے۔ اسے چاروں طرف خوشیاں ہی خوشیاں نظر آتی ہیں۔ جب غموں کے دریچے کھلتے ہیں تو وہ بوکھلا جاتا ہے۔ آنسوؤں کی ندیاں بہا دیتا ہے اور پچھتاتا ہے۔ پھر گزرے ہوئے وقت کو یاد کرتا ہے اور دِل کو اور زخمی کر لیتا ہے۔

زندگی

مرسلہ: ملک وحید اختر، کامرہ کلاں

■ زندگی ایک امتحان ہے۔ (قائدِ اعظم)
■ زندگی ایک قلعہ ہے۔ (نپولین)
■ زندگی ایک اسٹیج ہے۔ (شیکسپیئر)
■ زندگی ایک جدّ و جہد ہے۔ (علامہ اقبال)
■ زندگی خود اعتمادی ہے۔ (ٹالسٹائی)
■ زندگی دکھوں کا گھر ہے۔ (بدھ مت)

سات کلیاں

مرسلہ: عبد القادر آزاد، کراچی

■ تینوں کو ہمیشہ یاد رکھیں: نصیحت، احسان، موت۔
■ تینوں کا احترام کریں: والدین، استاد، قانون۔
■ تینوں پر ایمان رکھیں: اللہ، رسولؐ، قیامت۔
■ تینوں کو عزیز رکھیں: ایمان، سچائی، نیکی۔
■ تینوں پر قابو رکھیں: غصّہ، زبان، نفس۔
■ تینوں کا ہمیشہ خیال رکھیں: وقت، صحت، مستقبل۔
■ تینوں کے لیے لڑیں: قوم، ملک، حق۔

مسٹر شیطان

مرسلہ: شہروز عبد الغفور

آپ کا نام؟
مسٹر شیطان۔
مسٹر شیطان، آپ کا پڑاؤ کہاں ہوتا ہے؟
میرا پڑاؤ لوگوں کے دِلوں میں ہوتا ہے۔
آپ کا کام؟
میرا کام لوگوں کو ورغلانا ہے۔
مسٹر شیطان، جب آپ لوگوں کو ورغلاتے ہیں تو

لوگوں کی کیا حالت ہو جاتی ہے؟
جس وقت میں لوگوں کو ورغلاتا ہوں تو ان کی شرم و حیا ختم ہو جاتی ہے۔ شرم کا آشیانہ آنکھوں میں ہوتا ہے۔ میرے ورغلانے سے شرم کہیں دُور چلی جاتی ہے اور میں آسانی سے لوگوں کی آنکھوں میں چلا جاتا ہوں۔
مسٹر شیطان، آپ کو سب سے مشکل کن لوگوں کو ورغلانے میں ہوتی ہے؟
سب سے زیادہ مشکل ان لوگوں کو ورغلانے میں ہوتی ہے جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں۔
شکریہ مسٹر شیطان، آپ نے بڑی بھیانک باتوں سے ہمیں آگاہ کیا۔
بچّو سُنا آپ نے! جو لوگ اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں ان کو ورغلانا کتنا مشکل کام ہے۔ آئندہ آپ بھی اپنا نام نیک بندوں میں شمار کرنے کی کوشش کریں۔

اونٹ کے عجائبات

مرسلہ: فیض رسول انجم آبادی شریف

- اللہ تعالیٰ نے اونٹ کو گول پاؤں دیے تاکہ ریگستان میں آسانی سے چل سکے۔
- لمبی ٹانگیں دیں تاکہ سفر جلدی طے ہو۔
- لمبی گردن دی تاکہ زمین اور درخت ہر دو سے غذا آسانی سے حاصل کر سکے۔
- کوہان میں پانی اور چربی کی مقدار جمع کر دی تاکہ ہفتوں تک بغیر پانی اور غذا کے رہ سکے۔
- اگر شتر بان بے توشہ ہو جائے تو ناقہ کا دودھ پی لے۔
- اونٹ کی غذا تمام وہ درخت اور پودے دیے جنھیں دوسرے جانور چھوتے تک نہیں۔
- اسے سخت منھ دیا کہ کیکر تک کھا سکے۔
- فرماں بردار بنا دیا تاکہ صحیح معنوں میں اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔
- اونٹ اگر ایک دفعہ کوئی راستہ دیکھ لے تو اُسے برسوں یاد رکھتا ہے خواہ اس کے تمام نشانات مٹ گئے ہوں۔

دوستی

مرسلہ: حبیب الرحمن ہاشمی، پشاور

دوستی ایسا مقدس رشتہ ہے جو سونے سے بھی مہنگا ہے۔ بے غرض دوستی ہی وہ پھول ہے جس کے ساتھ کانٹے نہیں ہوتے۔ ایک سچے دوست کو مرغابی کے مانند نہیں ہونا چاہیے جو ایک تالاب خشک ہونے کے بعد دوسرے تالاب کا رُخ کرے۔ دوستی کی شمع بڑی پاکیزہ ہوتی ہے۔ اس کے اُجالے تو بڑے مقدس ہوتے ہیں۔

زبان کے زخم

مرسلہ: ناصر ادریس، جڑانوالہ

زبان کے زخم بہت گہرے ہوتے ہیں اور ایسے ہوتے ہیں جو کبھی نہیں بھرتے۔ اگر ان زخموں کو پُر کیا جا سکتا ہے تو صرف پشیمانی کے آنسوؤں سے، معافی اور سچّی توبہ سے۔

آنسو

مرسلہ: ناصر ادریس، جڑانوالہ

آنسو غم اور خوشی دونوں میں ساتھ دیتے ہیں۔ یہ مختلف انداز میں آنکھوں سے بہتے ہیں۔ کسی کے بچھڑنے پر، کسی کی جُدائی پر یا کسی کے اچانک مل جانے پر یہ موتیوں کی طرح ہماری آنکھوں سے ٹپک پڑتے ہیں۔

جوانی

مرسلہ: قدسیہ یاسمین، بھکّر

ایک بڑے میاں کہیں جا رہے تھے، چلتے چلتے ٹھوکر لگی تو وہ گر پڑے۔ بے ساختہ زبان سے نکلا، "ہائے ری جوانی"۔ پھر اُٹھ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ جب دیکھا کہ کوئی نہیں دیکھ رہا تو دانت پیس کر بُڑبڑائے: "جوانی میں کون سے تیر مارے تھے"۔

سچّی باتیں

مرسلہ: عظمٰی رحمان، اسلام آباد

■ سقراط نے جو دنیا کا عظیم فلسفی ہے، کوئی کتاب نہیں لکھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لکھنا ہی نہیں جانتا تھا۔

■ سقراط انتہائی بدصورت تھا۔

■ سقراط کی قوّتِ برداشت کمال کی تھی۔ شہر میں وہ واحد شخص تھا جو ننگے پاؤں برف پر گھومتا پھرتا تھا۔ سقراط نے جوانی میں میدانِ جنگ میں بہادری دکھا کر انعام حاصل کیا تھا۔

■ سقراط پیشے کے لحاظ سے مجسمہ ساز تھا۔

عِلم کا خزانہ

مرسلہ: فیصل بشیر

■ عِلم ایک ایسا درخت ہے جو جتنا زیادہ بڑھتا ہے اتنا زیادہ پھل دیتا ہے۔

■ ستارے آسمان کا زیور ہیں اور تعلیم یافتہ انسان زمین کی زینت ہیں۔

■ عِلم عالم کی وہ آنکھ ہے جس سے وہ بُرائی اور بھلائی میں تمیز کر سکتا ہے۔

■ سکندر سے کسی نے پوچھا کہ آپ استاد کو باپ پر کیوں ترجیح دیتے ہیں؟ جواب دیا کہ باپ تو مجھے آسمان سے زمین پر لایا اور میرا استاد مجھے زمین سے آسمان پر لے گیا۔

چار پھول

■ ایثار یہ نہیں ہے کہ موٹے اور کُھردرے کپڑے پہن لیے جائیں اور سوکھی روٹی کھائی جائے۔ ایثار یہ ہے کہ اپنی خواہشات اور مسرتوں کو دوسروں کے لیے چھوڑا جائے۔

■ قناعت بدن کو تازگی بخشتی ہے اور حسد بدن کو گلا دیتا ہے۔

■ اس شہد سے کیا فائدہ جو زہر میں ملا ہوا ہو، بلکہ اس سے بہتر تو وہ زہر ہے جس میں شہد کی سی شیرینی ہو۔

■ تو جنّت طلب نہ کر، بلکہ ایسا عمل طلب کر کہ جنّت خود تیری طالب ہو۔

*

ہمدردِ انسائیکلوپیڈیا

س : درختوں کے تنے اور پانی کے بُلبلے گول کیوں ہوتے ہیں؟ — سید ارشد حسین ترمذی

ج : پودوں کو اپنی جڑوں سے غذا ملتی ہے جو چاروں طرف پھیلی ہوتی ہیں۔ چاروں طرف سے غذا آنے کی وجہ سے ڈنٹھل گول ہو جاتے ہیں اور جب وہ بڑھ کر تنا اور درخت بنتے ہیں تب بھی اُن کے تنے گول رہتے ہیں۔ لیکن اگر کسی درخت کی کسی جڑ کے نیچے کوئی پتھر یا چٹان آجاتی ہے یا اُسے کسی اور وجہ سے پوری غذا نہیں ملتی تو ضروری نہیں کہ اُس کا تنا گول رہے۔ بعض درخت کے تنے کچھ گول ہوتے ہیں اور کچھ کٹے پھٹے ہوتے ہیں۔

پانی کا بُلبلہ اس لیے گول ہوتا ہے کہ اُس میں غبارے کی طرح تھوڑی سی ہوا بھری ہوتی وہ اندر سے باہر کی طرف ہر سمت میں دباؤ ڈالتی ہے۔ دباؤ برابر ہونے کی وجہ سے بلبلہ گو ہو جاتا ہے۔

س : برقی پنکھا کس طرح کام کرتا ہے؟ — ظفر علی گوپانگ، کرا

ج : بجلی اور مقناطیسیت کے درمیان قدرتی طور پر ایک تعلق پایا جاتا ہے۔ جب کسی تار برقی رو گزرتی ہے تو اُس میں مقناطیسیت پیدا ہو جاتی ہے۔ بجلی کے پنکھے میں اوّل تو ایک مقنا اسی طرح کا ہوتا ہے جس کے شمالی اور جنوبی قطبین کے درمیان نہایت طویل تار کے لچھے ہو ہیں جو حاجز ہوتے ہیں یعنی وہ ایک دوسرے کو برقی طور پر نہیں چھوتے۔ یہ مجموعہ "آرمیچر" کہلا جب اُس سے کرنٹ گزرتی ہے تو اُس کا اپنا ایک مقناطیسی میدان پیدا ہو جاتا ہے۔ اور مقناطیسی میدان اُس مقناطیس کا ہوتا ہے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ان دونوں میدانوں باہمی عمل سے آرمیچر تیزی سے گھومتا ہے اور اس کے ساتھ جُڑے ہوئے پنکھ بھی تیزی سے ہیں۔ چوں کہ ان پنکھوں کو تھوڑا سا خم دیا ہوا ہوتا ہے، اس لیے وہ ہوا کو حرکت میں لے

اور ہمیں ہوا ملتی ہے۔

چاند کے اندرونی منظر کے متعلق بتائیے، وہ کیسا ہے؟ شمشیر خاں، کراچی

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ انسان چاند پر پہنچ چکا ہے۔ وہاں کی مٹی بھی زمین پر لائی ہے۔ سائنس داں اُس کا تجزیہ کر رہے ہیں۔ لیکن چاند پر جانے سے پہلے ہی ہمیں معلوم تھا اند ایک مُردہ دنیا ہے۔ نہ وہاں ہوا ہے، نہ پانی اور نہ کسی قسم کی آبادی۔ شروع میں ہماری ی طرح وہاں بھی آتش فشانی کا سلسلہ جاری رہا، لیکن اب یہ آتش فشاں خشک اور خاموش چاروں طرف ریت اور سیاہ لاوا پھیلا ہوا ہے۔ آتش فشاں پہاڑوں کے بہت بڑے بڑے ،عام ہیں۔ زمین سے یہی دہانے سیاہ دھبوں جیسے نظر آتے ہیں۔ وہ تمام خشک اور ویران ہیں۔ ،زمانے میں چاند پر سمندر موجود سمجھے جاتے تھے۔ لیکن اب ہم جانتے ہیں کہ وہاں پانی ۔قطرہ بھی نہیں ہے۔ جب ہوا ہی نہیں ہے تو کیسے بادل، کیسی بارش اور کیسا پانی؟ چاند بجر، ویران اور غیر آباد دُنیا ہے۔ ہوا نہ ہونے کی وجہ سے وہاں بے انتہا گرمی اور بے انتہا پڑتی ہے۔ کوئی جان دار وہاں خاص انتظامات کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہوا نہ ہونے ،سے وہاں کسی قسم کی کوئی آواز سُنائی نہیں دیتی۔ وہاں آپ ایک دوسرے سے بات بھی ،سکتے۔ وہاں خلا بازوں کو خاص طرز کے پریشر سوٹ پہن کر جانا پڑا، ورنہ اُن کے جسم پھٹ ۔آپس میں بات چیت کرنے کے لیے اُنھیں وائرلیس سیٹ استعمال کرنے پڑے۔

سمندر میں طوفان کس طرح آتے ہیں؟ رفیق احمد قائم خانی، سامارو

سمندر میں طوفان اندر سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ سطح پر آتے ہیں اور وہ اس طرح کہ سمندر ھلے ہونے کی وجہ سے ہواؤں اور فضائی دباؤ کے فرق کا شکار رہتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ،مین پر خواہ خشکی ہو یا تری ہوا کا دباؤ مستقل طور پر پڑتا رہتا ہے، لیکن یہ دباؤ ہر جگہ یکساں ،رتا، کم زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ اگر کسی جگہ ہوا کا دباؤ بہت کم ہو جائے تو اس کمی کو پُر کرنے ے چاروں طرف کی ہوائیں بڑے زور سے اُس طرف چلنے لگتی ہیں۔ اِسی کو طوفان کہتے ہیں۔ ا معاملہ تو مختلف ہے، کیوں کہ وہ سخت ہوتی ہے، لیکن سمندروں میں پانی ہوتا ہے جو تیز ،کے اثر سے فوراً حرکت میں آجاتا ہے۔ طوفانی ہوائیں سمندر پر دیو قامت موجیں پیدا کر ،ں جو جہازوں کو زیر و زبر کرنے کے علاوہ ساحل پر بھی چڑھ آتی ہیں اور بعض اوقات بہت

زیادہ نقصان کرتی ہیں۔

س : آسمانی بجلی کالے رنگ کی چیزوں پر کیوں گرتی ہے، دوسرے رنگوں کی چیزوں پر کیوں نہیں گرتی؟

محمد قدیم بیگ مغل

ج : پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ آسمانی بجلی زمین پر اس لیے گرتی ہے کہ ہماری زمین بجلی کی بہت اچھی موصل ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ چارج حاصل کرنے کی کوشش میں رہتی ہے۔ جب بھی چارج سے بھرا ہوا کوئی بادل زمین کے اتنا قریب آجاتا ہے کہ کوئی اونچا درخت، کوئی بلند عمارت یا کوئی بھی دوسری اونچی چیز اُس بادل اور ہماری زمین کے درمیان ایک واسطے کا کام دے، آسمانی بجلی اُس واسطے میں سے ہوتی ہوئی زمین میں چلی جاتی ہے۔ اسی کو ہم آسمانی بجلی کا گرنا کہتے ہیں۔ اُس وقت اُس کے راستے میں سیاہ یا سفید جو چیز بھی آجائے گی وہ جل کر راکھ ہوجائے گی، کیوں کہ آسمانی چارج بہت قوی ہوتا ہے۔

س : خلیہ کیا ہے اور یہ کیا کام انجام دیتا ہے؟

غلام سرور، ٹنڈوالہ یار

ج : خلیہ جسے انگریزی میں سیل (CELL) کہتے ہیں، تمام جان داروں کے جسم میں وہی حیثیت رکھتا ہے جو کسی عمارت میں اینٹ کی ہوتی ہے۔ جس طرح بہت سی اینٹوں کو ملا کر عمارت بناتے ہیں، اُسی طرح ہم سب کا جسم بے شمار خلیوں سے مل کر بنا ہے۔ خلیہ تمام جان داروں کے جسم کی اکائی ہے۔ یہ بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ ایک سینٹی میٹر کا تقریباً یا سٹھ ہزاروں حصّہ۔ خون کے سرخ جسیمے بہت ہی چھوٹے ہوتے ہیں۔ ایک مکعب ملی میٹر جگہ میں کئی لاکھ سیل سما سکتے ہیں۔ پھر سیل اتنا بڑا بھی ہوتا ہے کہ پرندوں کا انڈا ایک سیل ہی ہے۔ مرغی کا انڈا تو چھوٹا ہوتا ہے۔ شتر مرغ کا انڈا کوئی پندرہ سینٹی میٹر لمبا اور قطر میں دس بارہ سنٹی میٹر ہوتا ہے۔ سیل کی شکلیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ بعض سیل گول، بعض چپٹے اور بعض لمبے دھاگوں کی طرح ہوتے ہیں۔ سیل کا ایک مرکزہ یا نکلیس (NUCLEUS) ہوتا ہے۔ اُس کے چاروں طرف پتلی جھلّی کا غلاف ہوتا ہے۔ اِسی جھلّی میں گاڑھا سا ایک سیّال ہوتا ہے۔ پودوں کے بھی سیل ہوتے ہیں۔

بچّوں کے لیے اردو میں پہلا دل چسپ اور مصوّر سفرنامہ

دو مسافر دو مُلک

حکیم محمد سعید اور مسعود احمد برکاتی

کے سفر انگلستان و فرانس کے دل چسپ حالات

مصنف

مسعود احمد برکاتی

کسی شہر کو اچھی طرح دیکھنا اور سمجھنا ہو تو فراٹے بھرتی ہوئی کار میں بیٹھنے کے بجائے پاؤں پاؤں چلنا ضروری ہے۔ اس طرح سڑکوں، بازاروں، دُکانوں، پارکوں اور مختلف جگہوں کے علاوہ وہاں کے لوگوں اور ان کے طور طریقوں اور عادتوں کو بھی دیکھنے، سمجھنے اور پہچاننے کا موقع ملتا ہے۔

مسعود احمد برکاتی جب یورپ گئے تو کئی بار تنہا بھی گھومنے کو نکلے۔ ٹیوب میں سفر کیا، ٹیکسی میں بھی اور پیدل بھی چلے۔ مصنفوں، ادیبوں، پروفیسروں سے بھی مِلے اور اجنبیوں سے بھی باتیں کیں۔ پارکوں اور تفریح گاہوں میں بھی گئے، دُکان داروں سے باتیں کیں، تاریخی یادگاریں اور شاہی محل بھی دیکھے۔ لندن، اوکسفرڈ، کیمبرج اور پیرس میں ہر جگہ اور ہر قسم کے لوگوں کو دیکھا اور اپنے دِل کش، رواں انداز اور سادہ و سلیس زبان میں سفرنامہ لکھا، جو ہمدرد نونہال میں شائع ہو کر مقبولیت کا رِکارڈ قائم کر چکا ہے۔

بچّوں کے لیے اردو میں یہ پہلا سفرنامہ ہے جو دل چسپ بھی ہے اور مصوّر بھی۔

قیمت : ۱۲ ر رُپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ناظم آباد، کراچی

مینو گڑیا

گل رُخ، حیدرآباد

نام تو اس کا مینو تھا مگر سب لوگ پیار سے اسے مینو گڑیا کہا کرتے تھے۔ ابّو جی کی تو وہ اتنی لاڈلی تھی کہ ابّو جی مینو کے بجائے صرف گڑیا ہی کہا کرتے تھے۔ وہ تھی بھی سچ مچ کی گڑیا جیسی۔ گلابی رنگت، پیارا سا چہرہ، سُنہرے اور ریشم کی طرح نرم ملائم بال، شرارت سے بھرپور ذہین اور چمک دار آنکھیں۔ مینو گڑیا بَلا کی ذہین بھی تھی اور اپنی کلاس میں ہمیشہ سب سے آگے رہتی تھی، اسی لیے اس کی اُستانیاں بھی اُسے بہت پیار کرتی تھیں۔ گڑیا ایک دفعہ جو چیز پڑھ لیتی اسے ہمیشہ یاد رکھتی تھی۔ تصویریں بنانے کا گڑیا کو بہت شوق تھا۔ رنگ برنگی تتلیوں اور حسین پھولوں کی تصویریں بنانے اور ان میں رنگ بھرنے میں اسے بڑا مزہ آتا تھا۔

یہ تو تھیں گڑیا کی خوبیاں، مگر اس میں ایک بات خراب بھی تھی۔ وہ جتنی زیادہ ذہین تھی اتنی ہی شریر بھی تھی۔ کبھی اپنی سہیلی کی چوٹی کھینچ کر بھاگ جاتی، کبھی ننھی منّی تتلیوں کو پکڑ کر اپنی کتاب میں بند کر لیتی تو کبھی لوگوں کی نقلیں اُتارتی۔ شرارت کرنا کوئی بُری بات نہیں۔ شرارتیں تو بچے کرتے ہی ہیں، لیکن ایسی شرارتیں اچھی نہیں ہوتیں جو کسی کو تکلیف پہنچائیں۔

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا مینو گڑیا کی شرارتیں بھی بڑھتی گئیں۔ اب تو اس نے اپنی پڑھائی پر توجہ کرنی بھی چھوڑ دی تھی۔ دن بھر شرارتیں کرنے اور کھیل کود کے بعد گڑیا اتنی تھک جاتی کہ اس میں اسکول کا کام کرنے کی ہمت ہی نہیں رہتی تھی۔ وہ یہ سوچ کر جلدی سو جاتی کہ صبح اُٹھ کر اسکول کا کام مکمل کر لوں گی۔ لیکن پھر ایسا ہوتا کہ صبح گڑیا کی آنکھ دیر سے کھلتی۔ اگر وہ اسکول کا کام کرنے بیٹھ جاتی تو اسکول کو دیر ہو جاتی اور اگر اسکول وقت پر جاتی تو کام مکمل نہیں ہوتا۔ شروع شروع میں تو اگر گڑیا کا کام مکمل نہ ہوتا یا اگر وہ اسکول دیر سے پہنچتی تو مِس اُسے یہ سوچ کر معاف کر دیتیں کہ گڑیا بہت ذہین بچی ہے اور کبھی کبھی تو غلطی ہو ہی جایا کرتی ہے، لیکن جب گڑیا نے یہ روز کا معمول بنا لیا تو مِس نے اسے پیار سے بھی سمجھایا، ڈانٹا بھی اور اُس کی امّی سے بھی شکایت بھی کی۔ لیکن گڑیا پر نہ تو مِس کی ڈانٹ کا اثر ہوا اور نہ امّی ابّو کی نصیحتوں کا۔ وہ تو بس یہ جانتی تھی کہ وہ بہت ذہین ہے اور تھوڑا سا پڑھ کر بھی وہ ساری جماعت میں اوّل آسکتی ہے، کیوں کہ کلاس میں کوئی بھی بچہ اس جیسا ذہین نہیں ہے۔

"بھئی! جب میں تھوڑا سا پڑھ کر بھی سب سے زیادہ نمبر لے سکتی ہوں تو مجھے کیا ضرورت ہے ہر وقت پڑھنے کی!" گڑیا فخر سے سوچتی۔

جب سالانہ امتحان سر پر آ گئے تو گڑیا کو بڑی فکر ہوئی، کیوں کہ وہ ایک کتاب لے کر بیٹھتی تو دوسری کی فکر ہو جاتی اور جب دوسری پڑھنے بیٹھتی تو سوچتی کہ تیسری کی تیاری کب ہوگی؟ سالانہ امتحان آئے اور گزر گئے۔ گڑیا کے حساب سے اس کے پرچے بھی اچھے ہو گئے۔

آج گڑیا بہت ہی خوش تھی، کیوں کہ آج امتحان کا نتیجہ نکلنا تھا۔ گڑیا کو کوئی فکر تو تھی نہیں، کیوں کہ اسے تو پہلے ہی معلوم تھا کہ اوّل نہیں تو دوم تو ضرور آجاؤں گی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ کلاس کے سب بچّوں سے زیادہ ذہین ہے۔ اسی خوشی میں آج اُس نے اسکول سے واپسی پر ڈھیر ساری تتلیاں پکڑنے کا پروگرام بنایا تھا۔

مِس کلاس میں آچکی تھیں۔ بچّوں کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔ مینو تو آج سب سے آگے بیٹھی تھی۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور مِس نے نتیجہ سُنانا شروع کیا:

"اعجاز احمد، اوّل۔ عظمیٰ خاں، دوم۔ شاہد علی، سوم ...."

تالیاں بجتی رہیں، لیکن مینو کا نام کہیں نہیں آیا۔ مِس نے صرف ان بچّوں کے نام پکارے تھے

جو کلاس میں نمایاں طور پر کام یاب ہوئے تھے۔ مینو گڑیا کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ نمایاں کام یابی حاصل کرنے والوں سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیسے ہوا۔ وہ تو سب بچّوں سے زیادہ ذہین تھی۔ پھر یہ اعجاز احمد، عظمٰی خاں اور شاہد علی آگے کیسے نکل گئے؟ اسے یوں لگا جیسے سارے بچّے اس کی ذہانت کا مذاق اُڑا رہے ہوں۔ پھر گڑیا نے محسوس کیا کہ جیسے کوئی بہت پیار سے اس کے آنسو پونچھ رہا ہے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو مس کھڑی تھیں۔ وہ اسے سمجھا رہی تھیں: "محنت ہی میں عظمت ہے۔ محنت کے بغیر ذہانت کسی کام کی نہیں ہوتی۔ تمھارے ساتھیوں کی کام یابی کا راز محنت ہی ہے۔"

آج مینو گڑیا مس کی اس بات کو سمجھ گئی کہ محنت ہی سے سارے کام آسان ہو جاتے ہیں۔ اُس کے ساتھیوں نے اس سے زیادہ محنت کی تھی، لہٰذا وہ اس سے آگے نکل گئے۔

پہچانیے کا جواب

تصویر ۳ اور تصویر ۴ ایک جیسی ہیں۔

ایک تھی تتلی

اقبال فریدی

آنکھوں میں آنسو
بستے میں جگنو
ہاتھوں میں پھول گلاب کا ہے

پیڑ لگانا
پھول کھلانا
کام بڑا یہ ثواب کا ہے

رستے سے پتھر
رکھ دو ہٹا کر
سبق ہماری کتاب کا ہے

ایک تھی تتلی
بالکل اصلی
قصہ ہمارے خواب کا ہے

نادان موچی

سلیمان اختر علوی

بہت دنوں کی بات ہے۔ ایک موچی کسی گاؤں سے بہت دُور ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں رہا کرتا تھا۔ روزانہ وہ صبح گاؤں جاتا اور کسی سڑک کے کنارے بیٹھ کر لوگوں کے جوتے گانٹھا کرتا۔ وہ اپنے کام کی بہت کم اُجرت لیتا تھا، اِس لیے اس کی دن بھر کی کمائی ایک دو رُپے سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ بہرحال وہ جو کچھ بھی کماتا اُسے ایک ڈبّے میں حفاظت سے رکھ لیتا۔ شام کے وقت وہ اپنے اوزار سمیٹتا اور گھر کی طرف روانہ ہو جاتا۔

گھر پہنچ کر وہ اپنے اوزار سنبھال کر رکھتا اور دریا پر نہانے چلا جاتا۔ نہانے کے بعد وہ اپنے لیے سادہ سا کھانا پکاتا۔ آدھا کھانا اپنے لیے رکھ لیتا اور آدھا لے کر اپنے پڑوس میں رہنے والے ایک اندھے اور بوڑھے فقیر کو دے آتا۔ پھر وہ جھونپڑی کے دروازے پر بیٹھ کر دن بھر کی کمائی گنتا اور ان چیزوں کے متعلق سوچتا جن کی اُسے ضرورت تھی۔ چوں کہ اس کی آمدنی زیادہ نہ تھی اس لیے وہ ضرورت کی تمام چیزیں نہیں خرید سکتا تھا۔ وہ صرف اُن چیزوں کو خریدنے کا فیصلہ کرتا جن کی اُسے بہت ضرورت ہوتی۔ یہ موچی کا روز کا معمول تھا۔ وہ اندھے اور بوڑھے فقیر کو کھانا کھلائے بغیر خود کبھی کھانا نہ کھاتا۔ اندھا فقیر اسے بہت دُعائیں دیتا۔

کئی برس تک موچی کا یہی معمول رہا۔ ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ

آئے ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں کہ تم اللہ کے ایک معذور اور نابینا بندے کی مدد کر رہے ہو، اس کے صلے میں تمھیں اللہ نے ایک انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے ۔ یہ ایک پودا ہے ۔ تم اسے اپنے گھر کے صحن میں لگا دو ۔ اس سے تمھیں ہر روز ایک اشرفی مل جایا کرے گی ۔

موچی کی آنکھ کُھل گئی ۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ یہ یونہی ایک خواب ہے، لیکن جب دیکھا کہ واقعی ایک پودا اُس کے سامنے پڑا ہے تو وہ حیران رہ گیا ۔ اُس نے خوش ہو کر وہ پودا اُٹھایا اور اپنی جھونپڑی کے پچھواڑے زمین میں گاڑ دیا ۔

دن گزرتے رہے ۔ موچی نے بڑی محنت سے پودے کی دیکھ بھال کی ۔ وہ اسے روز پانی دیتا اور چڑیوں اور جانوروں سے بچاتا ۔ اس نے کم زور پودے کو سہارا دینے کے لیے درخت کی ایک ٹہنی بھی زمین میں گاڑ دی ۔ محنت کبھی بے کار نہیں جاتی ۔ موچی کی محنت اور توجہ سے وہ ننھا پودا جلد ہی بڑا اور مضبوط ہو گیا ۔

ایک روز صبح موچی پودے کو پانی دینے گیا تو اس نے دیکھا کہ پودے کی ٹہنی پر سونے کی ایک اشرفی چمک رہی ہے ۔ موچی بھاگا بھاگا گیا اور ایک بڑا مضبوط ڈبّا خرید لایا اور وہ اشرفی توڑ کر ڈبّے میں حفاظت سے رکھ لی ۔ چند ہی مہینوں میں ڈبّا اشرفیوں سے بھر گیا ۔

موچی اب ایک امیر آدمی بن گیا تھا ۔ اس نے جوتوں کی مرمّت کرنی چھوڑ دی اور گاؤں کے بازار میں جوتوں کی دُکان خرید لی ۔ چند ہی دِنوں میں اُس کی دُکان خوب چمک نکلی ۔ اس نے اپنے رہنے کے لیے ایک خوب صورت اور آرام دہ مکان بنوایا جس کے چاروں طرف ایک خوش نما باغ تھا ۔ اسی باغ میں دوسرے خوب صورت پودوں اور پھولوں کے درمیان وہ پودا بھی تھا جس میں ہر روز ایک اشرفی اُگتی تھی ۔ موچی اب گاؤں کا عزت دار آدمی سمجھا جانے لگا تھا ۔ جلد ہی اُس نے ایک امیر تاجر کی خوب صورت بیٹی سے شادی کر لی ۔ اب وہ اندھا فقیر اس کو یاد نہ رہا تھا جس کو وہ روزانہ کھانا کھلایا کرتا تھا اور جس کی دُعا سے اللہ نے اُسے دولت مند بنا دیا تھا ۔

اب وہ اپنی خوش گوار زندگی میں مگن تھا ۔ موچی کی بیوی کو اپنے باغ میں لگا ہوا یہ بے ڈھنگا پودا سخت ناپسند تھا ۔ اُس نے موچی سے کہا تو موچی نے وہ پودا اُکھڑوا کر پھنکوا دیا ۔ موچی کو اب ایک اشرفی کی کوئی پروا نہ تھی ۔ وہ اب بہت مال دار ہو چکا تھا ۔

اللہ کو موچی کی یہ احسان فراموشی پسند نہ آئی ۔ دولت مند ہونے کے بعد اُس نے اللہ کی

نعمت کو بُھلا دیا تھا۔ وہ اپنی دولت غریبوں پر خرچ نہ کرتا تھا۔ اگر کوئی غریب اُس کے آگے ہاتھ پھیلاتا تو وہ اس کو دھتکار دیتا۔ اب اس نے وہ پودا بھی نکال کر پھینک دیا تھا جو اللہ کا انعام تھا۔ چناں چہ اللہ نے موچی کو اُس کی ناشکری کی سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اگلی صبح جب موچی اپنی دُکان پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ اس کی دُکان شعلوں میں گھری ہوئی ہے اور اس کے ملازم اور ساتھی دُکان دار آگ بُجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر آگ اتنی تیز تھی کہ اُس کی دُکان اور اُس کا تمام سامان جل کر راکھ ہو گیا۔ موچی کو اپنی دُکان کا انجام دیکھ کر بہت غم ہوا اور وہ گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ گھر پہنچ کر اُس نے اپنی بیوی کو تمام ماجرا کہہ سُنایا۔ اس کی بیوی نے اُسے تسلّی دی کہ ہمارے پاس کافی رقم محفوظ ہے، ہم نئی دُکان بنا لیں گے۔

دوسرے دن شام کو گاؤں میں سخت طوفان آیا۔ تیز ہواؤں اور بارش نے گاؤں والوں کو خوف زدہ کر دیا۔ آسمانی بجلی ایک زور دار کڑاکے کے ساتھ موچی کے گھر پر گری۔ موچی اور اس کی بیوی بڑی مشکل سے اپنی جان بچانے میں کام یاب ہوئے۔ مگر ان کے گھر میں آگ لگ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس کی دُکان کی طرح جل کر راکھ ہو گیا۔ موچی کی بیوی ان حادثوں سے گھبرا کر اپنے دولت مند باپ کے پاس چلی گئی۔ موچی اکیلا رہ گیا۔ اب اس کو وہ پودا یاد آیا جسے اُس نے

کاٹ کر پھینک دیا تھا۔ موچی نے ہمدردی کرنے کے لیے آنے والوں سے کہا کہ گھبراؤ نہیں، میں پھر سے امیر ہو جاؤں گا۔ لوگوں نے پوچھا، "وہ کیسے؟" تو موچی نے اپنی ساری کہانی سُنائی اور کہا، "میں ابھی جا کر وہ آسمانی پودا لے آتا ہوں۔ تم دیکھنا میں دوبارہ امیر ہو جاؤں گا۔"

موچی کی کہانی سُن کر لوگ حیران رہ گئے اور وہ بھی اس کے ساتھ اس جگہ پہنچے جہاں موچی نے آسمانی پودا پھینکا تھا۔ جلد ہی انھیں پودے کے بچے کھچے ٹکڑے نظر آ گئے۔ ہر شخص نے ایک ایک شاخ اُٹھالی اور خوشی خوشی اپنے گھر روانہ ہو گیا۔ موچی بھی ایک شاخ لے کر اپنی پُرانی جھونپڑی میں آ گیا اور اسے زمین میں گاڑ کر پانی دینے لگا۔ لیکن کئی دن گزرنے کے بعد بھی نہ پودا بڑھا اور نہ اس میں کوئی اشرفی لگی۔ بدقسمت موچی کے پاس اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ دوبارہ لوگوں کے جوتے مرمّت کرنے لگے اور اپنی پرانی جھونپڑی میں رہے۔ اس کو اب وہ اندھا فقیر بھی یاد آیا جس کی دُعا سے اللہ نے اُسے دولت مند بنا دیا تھا۔ وہ پھر پہلے کی طرح اندھے فقیر کو کھانا کھلانے لگا۔

کتابِ دوستاں میں حکیم محمد سعید نے نونہالوں، جوانوں اور بڑوں سب کے لیے اپنے مطالعے کا نچوڑ پیش کیا ہے۔ سیکڑوں عنوانات پر چھوٹے چھوٹے جواہر پارے، سادہ آسان اور دل نشیں زبان میں حکمت اور تجربے کی باتیں۔ زندگی کے ہر مسئلے میں یہ کتاب دوستی کا حق ادا کرے گی۔

کتابِ دوستاں

حکیم محمد سعید کے مشہور و مقبول کالم "جاگو جگاؤ" کو مسعود احمد برکاتی نے ایک خوب صورت لڑی میں پرو کر کتابِ دوستاں کی شکل دی ہے۔ اس کتاب کی نقل و اشاعت کے جملہ حقوق عام ہیں۔

کتابِ دوستاں ایک مفید اور خوبصورت کتاب ہے

قیمت تیس رُپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس ـــــ کراچی

قشریے۔ جھینگے

ڈاکٹر منظور احمد

سمندروں، دریاؤں اور جھیلوں میں پائے جانے والے قشریے (CRUSTACEA) جھینگے، حیوانات کی ایک ایسی جماعت ہے جو خاص طور پر پچاس کروڑ سال پہلے سمندری کھارے پانی میں پیدا ہوئے۔ اب بھی قشریوں کی قسموں (انواع) کی اکثریت سمندروں میں رہتی ہے، لیکن کچھ قسمیں میٹھے پانی میں ملتی ہیں اور چند ایک مکمل طور پر خشکی پر پائی جاتی ہیں۔ تمام قشریوں میں چھوٹی بڑی ٹانگوں کے کئی جوڑے ہوتے ہیں جن کی مدد سے وہ زمین پر چلتے ہیں، پانی میں تیرتے ہیں، خوراک کو پکڑتے ہیں یا ماحول سے معلومات جمع کرتے ہیں۔ دنیا میں قشریوں کی ۳۵۰۰۰ سے زیادہ انواع ملتی ہیں جن میں بڑے بڑے کیکڑے، لوبسٹر اور جھینگے اور ہزاروں اقسام کے بہت سے چھوٹے چھوٹے قشریے شامل ہیں جن کو پہچاننے کے لیے خرد بین کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اگرچہ یہ چھوٹے قشریے بھی سمندری اور میٹھے پانیوں میں بے حد اہمیت کے حامل ہیں، لیکن یہ نظر اس طرح آتے ہیں جیسے بے شمار ننھے ننھے نقطے پانی میں بہ رہے ہوں۔ ان کو پیرا کیے (PLANKTON) بھی کہتے ہیں۔ پانیوں میں اگرچہ ہزاروں قسم کے دوسرے حیوانات بھی ملتے ہیں، لیکن غالباً تمام قسموں کی آبی حیات کا بلا واسطہ یا بالواسطہ طور پر پلانکٹن پر دار و مدار ہے۔

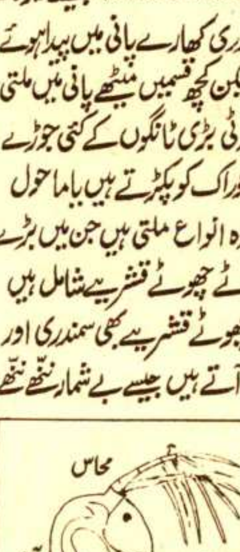

شکل۔۱ پانی کا پسو

سمندروں اور دیگر آبی ذخیروں میں رہتے ہوئے قشریوں کی شکل و صورت میں اتنا تغیر پیدا ہوا ہے کہ ماہرین نے ان کے مطالعے میں بہت زیادہ دل چسپی لی ہے اور ہر روز نت نئی دل چسپ معلومات مل رہی ہیں۔ ایک گروہ تو "پانی کے پسّوؤں" (WATER FLEAS) کا ہے۔ (شکل۔۱) ان کا سارا جسم نیم شفاف ہوتا ہے۔ یہ اگرچہ پانی کو چھان کر چھوٹے چھوٹے ذرات

کو خوراک بناتے ہیں، لیکن ضرورت پڑنے پر چھوٹے قشریوں وغیرہ کا شکار بھی کر لیتے ہیں۔ ایسے پانی کے پسوؤں کی بعض اقسام پاکستانی جھیلوں میں عام ملتی ہیں۔ چھوٹے قشریوں کی ایک اور قسم خول دار گھونگھوں سے ملتی جلتی ہے (شکل۔۲) ان کی قدوقامت گھونگھوں سے سیکڑوں گنا چھوٹی ہوتی ہے۔ خول دار قشریے میٹھے اور کھارے دونوں قسم کے پانیوں میں ملتے ہیں۔

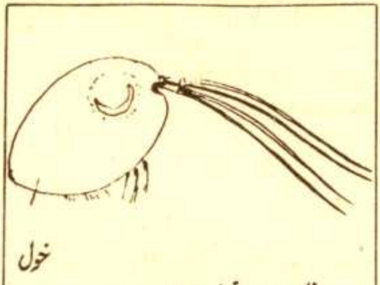

شکل۔۲۔ خول دار قشریے

قشریوں کا ایک اور گروہ جسے کوپے پوڈا (COPEPODA) کہا جاتا ہے، سمندری اور میٹھے پانیوں میں اس قدر کثرت سے موجود ہوتے ہیں کہ سر السٹر ہارڈی کے مطابق یہ قشریے پروٹوزوا کو چھوڑ کر اپنی تعداد میں باقی تمام اقسام کے حیوانات سے زیادہ ہوتے ہیں۔ ان کی کھربوں کی تعداد میں موجودگی زمین کے حشرات کو بھی شرماتی ہے۔ ان بہ ظاہر بے وزن قشریوں کی اہمیت یہ ہے کہ یہ پانی کی سطح پر سورج کی روشنی کے زیر اثر پیدا ہونے والے نباتاتی مادّوں کو ہضم کر کے اُن کی نباتاتی خوراک کو حیواناتی لحمیات میں تبدیل کرتے ہیں۔ پھر ان کے جسم کے اندر پیدا ہوتے والی لحمیات سے بے شمار قسموں کی خوراک بنتی ہے۔ اس طرح مچھلیوں کا پانیوں کے اندر وجود اِن قشریوں کا مرہونِ منت ہے۔ اگر یہ قشریے موجود موجود نہ ہوں تو مچھلیاں بھی ناپید ہو جائیں گی۔ یہ سارے قشریے سمندر میں بیراکیوں کی طرح زندگی گزارتے ہیں۔ (شکل۔۳)

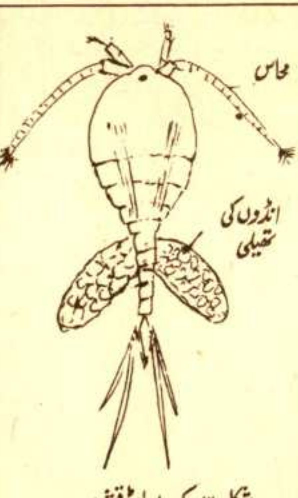

شکل۔۳۔ کوپے پوڈ قشریہ

کچھ قشریوں نے طفیلی زندگی (PARASITIC LIFE) گزارنے کے لیے اپنے اندر عجیب و غریب اور حیرت انگیز حد تک تبدیلی کر لی ہے۔ بعض اُن میں سے قشریوں کے ساتھ ہر قسم کی شکلی مشابہت ختم کر بیٹھتے ہیں۔ مچھلیوں کی

جوئیں (FISH LICE) (شکل ۔۴) جو مچھلیوں کا خون چوس کر زندہ رہتی ہیں۔ ان میں کچھ قشریوں جیسے ہیں اور کچھ تو ہرے سے حیوان نظر ہی نہیں آتے۔ سیکولانا (SACCULINA) (شکل ۔۵) جو کیکڑوں کے بطن پر ایک نیم چوکور شکل کے ڈھیر کی طرح نظر آتا ہے۔ وہ اپنی طفیلی زندگی کیکڑے پر اس طرح گزارتا ہے کہ نر کیکڑا شکلیاتی تبدیلیوں کے باعث مادہ نظر آنے لگتا ہے۔ بعض لرنیا (LERNAEA) قشریے طفیلی زندگی گزارتے ہوئے خود انگریزی کے حرف ایس شکل کی ٹیوب نظر آنے لگتے ہیں۔ (شکل ۔۶) ان طفیلی زندگی گزارنے والے قشریوں میں سے وہ جو جھینگوں کے گلپھڑوں کے اندر رہتے ہیں، اُن سے جھینگوں کا بہت نقصان ہوتا ہے جو معاشی اہمیت کا حامل ہے۔

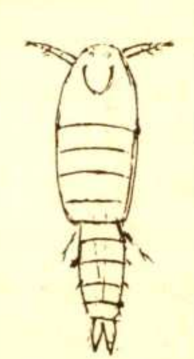

شکل ۔۴ مچھلیوں کی جوں

بڑی قد و قامت کے قشریوں میں لوبسٹر (LOBSTER)، جھینگے (SHRIMPS) اور کیکڑے (CRABS) وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے لاروے تو ہیراکیوں کی طرح زندگی گزارتے ہیں۔ لیکن بالغ قشریے ماحول کے مخصوص حصّوں میں آزاد اور متحرک زندگی گزارتے ہیں۔ ان کے جسموں کا رنگ سُرخ، نیلا، سلیٹی، بھورا وغیرہ ہوتا ہے۔ بعض کیکڑوں میں یہ صلاحیت بھی ہوتی ہے کہ وہ ریتیلے یا چٹانی ساحل کی موافقت پیدا کرنے کے لیے اپنے رنگ بھی بدل لیں۔ اُن میں سے کچھ ضرورت پڑنے پر سیاہ سے مکمل طور پر سفید بھی ہو جاتے ہیں۔ ان قشریوں میں دھڑ پر بڑی بڑی ٹانگوں کے جوڑے ہوتے ہیں جن کی مدد سے وہ ٹھوس سطح پر چل لیتے ہیں۔ بطن پر چپوؤں کی طرح کی ٹانگوں کے جوڑے ہوتے ہیں

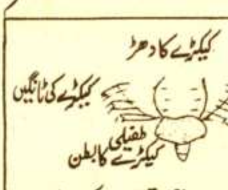

شکل ۔۵ ۔ طفیلی قشریہ ۔ سیکولانا

جو پانی میں تیرنے کے لیے موزوں ہوتے ہیں۔ ان کی خوراک میں نباتاتی اور حیواناتی ذرّات شامل ہوتے ہیں جو ہیراکیوں کے ساتھ تیرتے پھرتے ہیں اور سانس لینے کی خاطر جب یہ پانی کو اپنی طرف کھینچتے ہیں تو وہ ذرات بھی ان کے اتنے قریب آجاتے ہیں کہ یہ انھیں نگل سکیں۔ لیکن زندہ چھوٹے حیوانات پھلوں کے ٹکڑے، فُطرے (FUNGII) اور پانی کی تہ

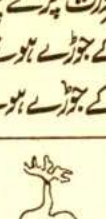

شکل ۔۶ طفیلی قشریہ، لرنیا

میں پائے جانے والے حیوانات بھی ان کا شکار بن جاتے ہیں۔ ان قشریوں میں یہ عادت ہوتی ہے کہ بے کار مادّوں کو کارآمد مادّوں سے فلٹر کر کے الگ کر دیتے ہیں اور اپنے معدے کو غیر مفید ذرّوں سے بھر نہیں لیتے۔ اگر ایسا ہو تو آنت اٹ جائے اور خوراک کا آگے گزرنا محال ہو جائے۔ کچھ کیکڑوں میں تو یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ تھوڑے وقفوں کے لیے پانی سے باہر نکل کر خشکی پر آجاتے ہیں، لیکن کچھ قشریے مثلاً کچھ آئسوپوڈز (ISOPODS) تو پانی کو ترک کر کے مکمل طور پر خشکی پر رہتے ہیں (شکل۔۷)

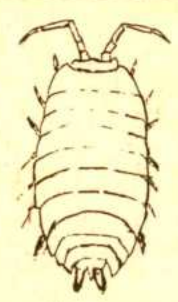

شکل۔۷۔ آئسوپوڈز، خشکی کا قشریہ

اور انھوں نے آبی تنفس کو ترک کر کے ہوائی تنفس کو اپنا لیا ہے۔ ان قشریوں میں بصری اور کیمیائی حسیں کافی بہتر ہوتی ہیں۔ زمین کی مقناطیسی کشش کا بھی انھیں علم ہوتا ہے۔ ان حسوں کا مجموعی عمل قشریوں کو اپنے ماحول کے موزوں چناؤ میں مدد دیتا ہے۔

بڑے قشریوں کی مختلف مشہور قسموں کا رہنے سہنے کا اپنا اپنا ڈھنگ ہے۔ عام جھینگے (شکل۔۸) مختلف گہرائیوں اور نمکیات کی ملاوٹ کے لحاظ سے ہر قسم کے پانیوں میں ملتے ہیں۔ رات کے وقت یہ چھوٹے قشریوں، کیچوؤں یا چھوٹے گھونگھوں کا شکار کرتے ہیں۔ دن کے وقت یہ پتہ کی کیچڑ میں چھپ جاتے ہیں۔ بہت سے جھینگے میٹھے پانیوں میں بھی رہتے ہیں اور بعض خاص طور پر اندھیرے غاروں میں ملتے ہیں۔ ان میں آنکھیں بالکل ہی ناپید ہو جاتی ہیں۔ جھینگوں کی کچھ انواع باہمی تعاون کے ساتھ اسفنجوں، جیلی فش، مرجان اور مچھلیوں کے ساتھ رہتی ہیں جہاں یہ یا تو ان حیوانات پر موجود طفیلیوں کو کھاتی ہیں یا ان کی کوششوں سے جمع ہونے والی خوراک میں سے کچھ حصہ حاصل کر لیتی ہیں۔

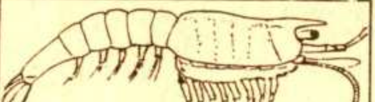

شکل۔۸ عام جھینگا

لوبسٹر (شکل۔۹) بھی جھینگوں کی ایک قسم ہے جو سمندری ساحلوں پر موجود چٹانوں پر رہتے ہیں۔ دن کے وقت چٹانوں

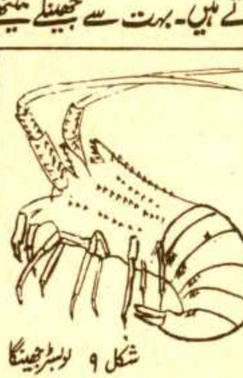

شکل ۹ لوبسٹر جھینگا

کی دراڑوں میں چھپے رہتے ہیں اور رات کے وقت گھونگھوں یا مُردہ سمندری حیوانات کا شکار کرتے ہیں۔ یہ عموماً محدود علاقوں میں رہتے ہیں، لیکن موسموں کے لحاظ سے کبھی کبھی دور دراز علاقوں میں گھوم بھی لیتے ہیں۔ کرے مچھلی (CRAYFISH) (شکل۔ ۱۰) بھی دراصل ایک جھینگا ہے جو صاف شفاف میٹھے پانی میں رہتا ہے۔ بعض ملکوں میں تو کرے جھینگوں کو اُسی طرح پالا جاتا ہے جس طرح مچھلیوں کو۔ کرے جھینگا دن کے وقت بھی خوراک حاصل کرتا ہے۔

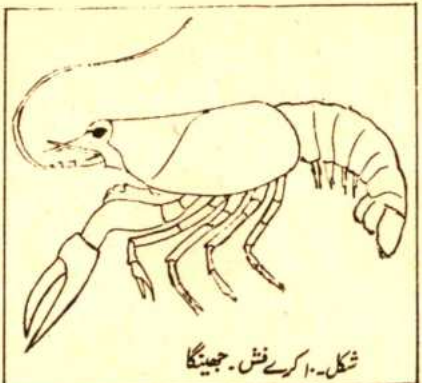

شکل۔۱۰ کرے فش۔ جھینگا

قشریوں کی معاشی اہمیت بین الاقوامی تجارت میں اس قدر مسلّمہ ہو چکی ہے کہ تمام ممالک اس کے تحفظ اور آبادیوں کو بڑھانے کی خاطر مختلف اقدامات کر رہے ہیں۔ اب تو ان کی بہت زیادہ قیمت کی وجہ سے صرف امیر لوگ ہی اس کا استعمال کر سکتے ہیں۔ بڑے لوبسٹر جھینگے تو بعض اوقات سو سو پچاس پچاس رُپے فی عدد کے حساب سے بکتے ہیں۔ نہ صرف ان کا گوشت بے حد لذیذ ہوتا ہے بلکہ ان کے اور کیکڑوں کے جسموں کا سُوپ بنتا ہے جو بڑی قیمت پر بکتا ہے۔ پاکستان کے سمندری پانیوں میں ہر قسم کے ماحولی حالات ملتے ہیں جن میں جھینگے اور لوبسٹر پل سکتے ہیں۔ بین الاقوامی طور پر ہمارے سمندری جھینگے ہماری بڑی دولت ہیں جن کی نسلوں کو محفوظ رکھنا ہماری اخلاقی ذمّے داری ہے۔ مختلف کارخانوں سے بہ کر سمندر میں پہنچنے والے مُضر اور زہریلے مواد سے جہاں ساری سمندری زندگی متاثر ہوتی ہے وہاں جھینگے بھی اپنی نسل رانی صحیح طرح نہیں کر سکتے۔

صحیح عمر بتائیے ـــ ایک وضاحت

ہمدرد نونہال جنوری ۱۹۸۹ء میں ہم نے تھرپارکر کے منصور احمد کا بھیجا ہوا حسابی کھیل "صحیح عمر بتائیے" شائع کیا تھا۔ اسے نونہالوں نے بہت پسند کیا۔ اس حسابی کھیل کے ذریعے سے کسی بھی شخص کی صحیح عمر بتائی جا سکتی ہے۔ کراچی کی ایک ذہین نونہال آنسہ فرح ناز نے اس میں دل چسپی لے کر یہ معلوم کیا کہ یہ حسابی کھیل ۵ سے ۱۰۴ برس کی عمر تک کے لیے ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے ملک کے نونہال اتنے ذہین ہیں اور حساب میں بھی پوری پوری دل چسپی لیتے ہیں۔

نونہال ادب

کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والی بچّوں کی خوب صورت کتابیں

بطخ اور لڑکا — ۱۲ روپے

نُور کے پھول — ۱۵ روپے

پیلی چڑیا کالی چڑیا — ۱۲ روپے

خلا کے پار
قیمت ۱۰ روپے

پراسرار مکان
قیمت ۱۰ روپے

ستاروں کی دنیا
قیمت ۱۰ روپے

کم سن صحابی رض
درویش کا تحفہ
خلائی طبیب
چار بھائی
آؤ بچّو کہانی سنو
سُنہری جھیل
جھیل کا راز
منصور نگر کی دولت

اسلام کے جاں نثار
خفیہ سرنگ
پکڑے گئے
آخری لمحے
موراسے فرار
گدھے کا سر
ہمت کے کرشمے
گلاب ڈھیری کا نیلم

قراقرم کی وادی
بیس سال بعد
ہیروں کے چور
کروڑ پتی فقیر
حویلی کے بھوت
انسان اور جانور
خلائی مسافر
پادری کی روح

ہر کتاب کی قیمت ۸ روپے

دل چسپ باتصویر اور معلوماتی کتابیں

غذا کی کہانی

ریڈیو کی کہانی | بحری جہاز کی کہانی | ریل کی کہانی

پرواز کی کہانی | فوج کی کہانی | روبوٹ

ہر کتاب کی قیمت ۵ روپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس

ہمدرد سینٹر، ناظم آباد ۳
کراچی

سائنسی میلا ۱۹۸۹ء

غزالہ شیریں

۲۹ جنوری نوبیل انعام پانے والے پاکستان کے عظیم سائنس داں ڈاکٹر عبدالسلام کا یوم پیدائش ہے۔ اسی دن کی مناسبت سے گورنمنٹ کالج فار وبمن شاہراہِ لیاقت کی سائنس سوسائٹی کے زیرِ اہتمام دوسرا آل کراچی سائنسی میلا ۲۹ جنوری ۱۹۸۹ء کو منعقد کیا گیا۔ اس میں کراچی کے ۴۵ تعلیمی اداروں کے روایتی اور غیر روایتی سائنسی پروجیکٹس رکھے گئے۔

اس کے علاوہ اس میلے میں دو دل چسپ مقابلے بھی منعقد ہوئے۔ ایک "سائنس کی تاریخ" پر پوسٹروں کا مقابلہ تھا اور دوسرا جنرل سائنس کوئز تھا۔ یہ تینوں مقابلے اسکولوں، کالجوں اور پیشہ ورانہ تعلیمی اداروں کی سطح پر منعقد کیے گئے تھے۔

۲۹ جنوری کو میئر کراچی ڈاکٹر فاروق ستار نے اس میلے کا افتتاح کیا اور تمام اسٹالوں کا معائنہ کیا پھر طالب علموں سے خطاب بھی کیا۔ یکم فروری صبح ۱۱ بجے پہلے اسکولوں اور آخر میں پیشہ ورانہ تعلیمی اداروں کے طالب علموں کے درمیان سائنس کوئز ہوا۔ اسکولوں میں پہلا انعام اپوا گرلز سیکنڈری اسکول اور آغا خان گرلز سیکنڈری اسکول کھارادر نے حاصل کیا۔ دوسری پوزیشن ناصرہ سیکنڈری اسکول (دوپہر شفٹ) کی رہی اور تیسرے نمبر پر آغا خاں بوائز سیکنڈری اسکول رہا۔ ایس۔ ایم۔ ایس۔ آغا خان بوائز اسکول کو خصوصی انعام ملا۔ کالجوں کے درمیان سائنس کوئز میں پہلی پوزیشن پر ڈی۔ جے سائنس کالج، دوسری پوزیشن پر گورنمنٹ دہلی بوائز کالج اور تیسری پر گورنمنٹ ڈگری سائنس کالج لیاری رہا۔ کوئز میں شریک تین پیشہ ورانہ تعلیمی اداروں میں ہومیو پیتھک کالج برائے خواتین نے انعام حاصل کیا۔ آخر میں تقسیم انعامات کی تقریب ہوئی۔

اس تقریب کے مہمانِ خصوصی جناب آفتاب احمد خاں چیئرمین بورڈ اوف انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن کراچی تھے۔ تلاوتِ کلامِ پاک کے بعد ملیحہ بتول نے سپاسنامہ پیش کیا۔ پھر مہمانِ خصوصی نے خطاب کیا اور کام یاب فیئر کرنے پر سوسائٹی کو مبارک باد پیش کی۔ اس کے بعد نازیہ رمضان نے نتائج کا اعلان کیا۔ اسکولوں کے درمیان بہترین کارکردگی کی شیلڈ آغا خاں بوائز سیکنڈری اسکول کھارادر نے اور کالجوں میں یہ شیلڈ ڈی جے سندھ گورنمنٹ سائنس کالج نے حاصل کی۔ پیشہ ورانہ تعلیمی اداروں میں اوّل انعام پیٹرولیس انسٹی ٹیوٹ اوف کمپیوٹر سائنس اور دوم انعام زبیدہ پولی ٹیکنک انسٹی ٹیوٹ نے حاصل کیا۔ تقریب کے اختتام پر سائنس سوسائٹی کی انچارج پروفیسر ڈاکٹر عقیلہ اسلام نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

کیا آپ کو معلوم ہے؟

۱ ۔ کیچوے میں گلپھڑے اور پھیپھڑے نہیں ہوتے بلکہ یہ جلد کے ذریعہ سے سانس لیتے ہیں۔
۲ ۔ انسان کی چھوٹی آنت کی اوسط لمبائی ۱۸ فیٹ ہوتی ہے اور بڑی آنت کی اوسط لمبائی تقریباً ۵ فیٹ ہوتی ہے۔
۳ ۔ کیٹل فش کو سمندر کا تارپیڈو کہتے ہیں۔
۴ ۔ نوزائیدہ بچے میں دل کی دھڑکن کی رفتار ۱۴۰ بار، ایک سال کے بچے کی ۱۲۰ بار، دس سال کے بچے کی ۹۰ بار فی منٹ ہوتی ہے۔
۵ ۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ کھٹ بڑھئی ہُدہُد کو کہتے ہیں۔
۶ ۔ ساگودانہ دراصل تنے کا گودا ہوتا ہے۔
۷ ۔ کوئل وہ پرندہ ہے جو گھونسلا نہیں بناتا۔
۸ ۔ مچھلی کی آنکھیں اس لیے کھلی ہوتی ہیں کہ ان پر پپوٹے نہیں ہوتے۔
۹ ۔ "شہتوت کا جولاہا" ریشم کے کیڑے کو کہتے ہیں۔ اس کا اصل وطن چین ہے۔
۱۰ ۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ ہاتھی، گھوڑا ایسے جانور ہیں جو کھڑے کھڑے سو جاتے ہیں۔
۱۱ ۔ "بیا" ایک پرندہ ہے جس کا گھونسلا بہت خوب صورت ہوتا ہے۔ شاید اسی لیے اس کو درزی پرندہ بھی کہتے ہیں
۱۲ ۔ سفید سونا پلاٹینم دھات کو کہتے ہیں۔
۱۳ ۔ انسائکلو پیڈیا یونانی زبان کا لفظ ہے، اس کے لیے اردو میں قاموس العلوم یا دائرۂ معارف کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔
۱۴ ۔ روشنی ایک سال میں جتنا فاصلہ طے کرتی ہے اس فاصلے کو نوری سال کہتے ہیں۔
۱۵ ۔ سائنس دانوں نے سب سے زیادہ تجربات شہد کی مکھی پر کیے ہیں۔

مُرتبہ: فرزانہ ظہیر

چچا غالب

مجیب ظفر انوار

غالب اردو کے صرف ایک عظیم شاعر ہی نہیں بلکہ ایک بڑے انسان بھی تھے اور بڑے انسانوں کی سب قدر کرتے ہیں۔ مرنے کے بعد انھیں یاد کرتے ہیں اور ان کی باتیں دُہراتے ہیں۔ غالب کو سب سے پہلے سر سیّد احمد خاں نے "چچا غالب" کہا۔ اب ہر کوئی کہتا ہے۔

غالب کا نام مرزا اسد اللہ خاں تھا۔ وہ ۲۷۔ دسمبر ۱۷۹۷ء (مطابق ۸ رجب ۱۲۱۲ ہجری) کے دن آگرے میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی عرفیت مرزا نوشہ تھی اور خطابات "نجم الدولہ، دبیر الملک نظامِ جنگ" تھے۔ غالب کے والد کا نام مرزا عبد اللہ بیگ خاں تھا۔ وہ ایبک قوم کے تُرک تھے۔ سپہ گری ان کا آبائی پیشہ تھا۔ غالب ابھی چند سال کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ والد کے انتقال کے بعد غالب کے چچا نصر اللہ بیگ خاں نے ان کی پرورش کی۔
غالب کی والدہ عزّت النسا بیگم کو ننّھے غالب سے بڑی محبّت تھی۔ انھوں نے ننّھے غالب کی تعلیم اور تربیت کا انتظام کیا۔ ابھی غالب ۹ برس ہی کے تھے کہ ان کے چچا نصر اللہ بیگ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اب غالب اپنے نانا خواجہ غلام حسین خاں کمیدان کے پاس رہنے لگے۔
ان کے چچا کی جاگیر کے عوض انگریز سرکار سے ان کو پنشن بھی ملتی رہی۔ مرزا غالب کا بچپن آگرے میں گزرا۔ نانا نے غالب کی تربیت کے لیے استاد شیخ معظّم علی کا انتظام کیا اور کہا جاتا ہے کہ غالب نے ابتدائی دِنوں میں مشہور عوامی شاعر نظیر اکبر آبادی سے بھی چند کتابیں پڑھی تھیں۔

۱۳ برس کی عمر میں ۷ رجب ۱۲۲۵ ہجری کو ان کی شادی نواب الٰہی بخش خاں کی صاحب زادی امراؤ جان بیگم سے ہو گئی۔ اب غالب دہلی ہی میں مقیم ہو گئے۔ غالب کی بیگم امراؤ جان زبان

کی ذرا تیز تھیں۔ ان کے والد یعنی غالب کے خُسر نواب الٰہی بخش اچھے شاعر تھے اور معروف تخلّص کرتے تھے۔

جب غالب کی عمر چودہ برس ہوئی تو اس وقت دہلی کی فضا میں شاعری گونج رہی تھی۔ جگہ جگہ مشاعرے ہوتے تھے۔ اُسی زمانے میں غالب نے فارسی میں شاعری شروع کر دی۔ میر تقی میر کے بعد غالب اردو کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ غالب کا خیال تھا کہ فارسی کلام ہی ان کی شہرت کا باعث بنے گا مگر ان کا اردو کلام خصوصاً ان کی غزلیں اُن کی شہرت کا باعث بنیں۔ غالب کو فارسی زبان سے بڑی محبّت تھی۔ اس کا ایک ثبوت اُن کا ایک خط بھی ہے۔ یہ خط انھوں نے مولوی عبدالغفور خاں بہادر نسّاخ کو لکھا تھا۔ نسّاخ ان کے دَور کے مشہور شاعر تھے۔ تم بھی اس خط کا ٹکڑا پڑھو:

"ایک کم ستّر برس اس دنیا میں رہا اب اور کہاں تک رہوں گا۔ ایک اردو کا دیوان، ہزار بارہ سو بیت (شعروں) کا اور ایک فارسی کا دیوان دس ہزار کئی سو بیت کا۔ تین رسالے نثر کے، یہ پانچ نسخے مرتب ہوگئے۔ اب اور کیا کہوں گا۔ مدح کا صلہ نہ ملا غزل کی داد نہ پائی۔"

غرض کہ غالب نے فارسی میں بہت کچھ کہا مگر رفتہ رفتہ اردو شاعری کی روز افزوں ترقی اور ماحول کے اثر سے اردو کی طرف متوجہ ہوئے۔ پہلے اسد تخلّص رکھا تھا، مگر ایک دن غالب نے ایک معمولی شاعر کا ایک گھٹیا سا شعر پڑھا۔ اس شاعر کا تخلّص بھی اسد تھا۔ وہ شعر یہ تھا:

اسد تم نے بنائی یہ غزل خوب
ارے او شعر رحمت ہے خدا کی

غالب کو یہ شعر پڑھتے ہی اپنے تخلّص اسد سے نفرت ہوگئی اور انھوں نے ۱۲۴۵ ہجری میں اپنا تخلّص اسد کے بجائے غالب کر لیا، لیکن جن غزلوں میں اسد تخلص تھا انھیں اسی طرح رہنے دیا۔

شاعری کے ساتھ ساتھ مرزا غالب جدید اردو نثر کے بانی بھی کہے جاتے ہیں۔ اردو نثر میں ان کی کوئی مستقل کتاب نہیں، لیکن ان کے وہ خطوط جو انھوں نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کو لکھے اردو نثر میں ان کا اعلا مقام متعیّن کرنے کے لیے کافی ہیں۔ بقول ڈپٹی نذیر احمد "غالب نے مراسلے کو مکالمہ بنا دیا۔"

بچّا غالب پہلے فارسی میں خطوط لکھا کرتے تھے مگر بعد میں انھوں نے اردو میں خطوط لکھنا شروع کر دیے۔ خطوط نویسی میں بھی غالب کا اپنا رنگ اور اندازِ تحریر بالکل جُدا ہے۔ ان کے خطوط کے دو مجموعے "عودِ ہندی" اور "اردوے معلّیٰ"، ان کی زندگی میں ہی شائع ہو گئے تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد محققین نے کئی اور مجموعے مرتّب اور شائع کیے۔ نثر میں ان کی مشہور کتابیں "لطائفِ غیبی"، "پنج آہنگ"، "مہر نیمروز" (مغلیہ تاریخ) اور "دستنبو" ہیں۔ لطائفِ غیبی غالب نے سیف الحق کے فرضی نام سے لکھی تھی۔ دستنبو نامی کتاب میں غالب نے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء سے یکم جولائی ۱۸۵۸ء تک کے غدر کے حالات لکھے ہیں۔ "سَبدِ چین" میں چند فارسی کے خطوط اور قطعات ہیں۔

غالب نے قصیدے بھی کہے۔ "قصیدہ" شاعری کی وہ صنف ہے جس میں کسی شخصیت کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔ مرزا غالب نے فارسی میں کل ۶۴ قصیدے کہے جن میں سے کچھ انگریز حُکّام کی شان میں تھے۔ ان میں سے خاص خاص نام اور قصیدوں کی تعداد یہ ہے:۔

نام ممدوح	تعداد قصائد
ملکہ وکٹوریہ	۳
لارڈ ایلن برا	۲
لارڈ آک لینڈ گورنر جنرل	۱
مسٹر منٹگمری لیفٹنٹ گورنر	۱

غالب کا اردو کا ایک مشہور قصیدہ جو انھوں نے اپنے شاگرد اور آخری مغل تاج دار بہادر شاہ ظفر کی صحت یابی پر لکھا تھا بڑا مشہور ہوا۔ اس قصیدے کا ایک شعر ہم تمھاری دِل چسپی کے لیے یہاں لکھ رہے ہیں:

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب
شاہِ دیں دار نے شفا پائی

غالب کو بچّوں سے بڑی محبت تھی۔ ان کے کئی اولادیں ہوئیں مگر سب بچپن میں مر گئیں۔ غالب کی بیوی امراؤ جان بیگم کے ایک بھانجے تھے زین العابدین خاں عارف۔ غالب کو ان سے بہت محبّت تھی۔ وہ ان کے منھ بولے بیٹے تھے۔ غالب نے عارف کے دونوں بچّوں (لڑکوں)

کے لیے "قادر نامہ" کتاب لکھی تھی۔

غالب نہایت خوش اخلاق اور ملنسار واقع ہوئے تھے۔ دُور دراز کے شاگردوں کے کلام کی اصلاح بھی کرتے۔ آخری عمر میں وہ مالی طور پر کچھ پریشان ہو گئے تھے مگر انھوں نے ہمّت نہ ہاری۔

غالب جب بھی بازار جاتے ہوادار پالکی میں جایا کرتے تھے۔ ان کی غذا بہت سادہ تھی۔ آم اور گوشت انھیں ہمیشہ مرغوب رہے۔ صبح کو وہ شیرۂ بادام پیتے۔ دوپہر کو پاؤ بھر گوشت کی یخنی اور پُھلکا۔ کبھی ایک پیالے میں انڈے کی زردی اور دوسرے میں دہی ہوتا۔ شام کے کھانے میں وہ شامی کباب، سیخ کباب اور چپاتی کھاتے۔ بس یہ تھی ان کی خوراک۔

غالب کے بے شمار شاگرد تھے۔ چند خاص خاص کے نام یہ ہیں۔

سراج الدین خاں بہادر شاہ ظفر، نواب ضیاء الدین خاں نیّر، میر مہدی مجروح، خواجہ الطاف حسین حالی، منشی ہر گوپال تفتہ اور مرزا قربان علی بیگ سالک۔ آخر عمر میں غالب بیمار رہنے لگے تھے۔

جنوری ۱۸۶۹ء میں بیماری میں زیادتی ہوگئی اور اسی حالت میں ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء (مطابق ۱۲۸۵ ہجری) ان کا انتقال ہو گیا۔ وہ دہلی میں دفن ہیں۔ بچّو! غالب کی شخصیت کے بارے میں میر تقی میر کی زبان میں ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں:

مت سہل اسے جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

گناہ کا کفّارہ

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کیا: "یارسولُ اللہ! میں ایک بڑا گناہ کر بیٹھا ہوں۔ کیا کفّارے کی کوئی صورت ہے؟" آپؐ نے پوچھا: "کیا تیری ماں ہے؟" اس نے جواب دیا: "جی نہیں"۔ آپؐ نے پوچھا: "کیا تیری خالہ ہے؟" اس نے جواب دیا: "جی ہاں"۔ آپؐ نے فرمایا: "تو ان کے ساتھ اچھا سلوک کر"۔

مرسلہ: سید محمد اطہر، لاڑکانہ

ایک دل چسپ مہماتی ناول

تیسرا ٹکڑا

سام پہ کیا گزری

سیّد اظفر مہدی، سکھر

سام نے جنگل کا ایک بڑا حصّہ اچھی طرح دیکھ ڈالا اور جنگل کے راستوں سے بھی خوب واقف ہوگیا۔ یہاں اس نے ایسے ایسے پھول، پودے اور درخت دیکھے جو اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ یہاں اسے جانوروں کی نفسیات بھی سمجھنے کا موقع ملا۔ اور تو اور ایک بندر تو اس کا دوست بھی بن گیا۔ یہ بندر سام سے اس قدر مانوس ہو گیا کہ جہاں سام جاتا وہیں یہ بندر بھی جاتا۔ یہ بندر سام کو اپنی دل چسپ حرکتوں سے خوب خوش کرتا۔ جب سام کو ناریلوں کی ضرورت ہوتی تو یہ بندر ایک سیکنڈ میں درخت کی بلندی پر چڑھ کر ناریل توڑ توڑ کر نیچے پھینکنا شروع کر دیتا اور سام انھیں اٹھاتا جاتا۔ اس طرح سام نے بہت سے ناریل اپنے غار میں جمع کر لیے۔ سام نے اس بندر کا نام

"ریڈ پرل" (سرخ موتی) رکھ دیا۔ اس کا سبب اس بندر کا سرخ منہ تھا۔ یہ بندر اپنے نام کو بھی خوب پہچانتا تھا۔ جب سام اس کا نام پکارتا تو یہ جہاں بھی ہوتا، اُچھلتا کودتا سام کے سامنے حاضر ہو جاتا۔

سام نے اپنے آپ کو یہاں کی زندگی میں ڈھال لیا تھا۔ وہ روزانہ صبح اٹھتا۔ دن بھر جنگل میں یا پھر ساحل پر گھومتا پھرتا، بھوک لگتی تو ناریل اور جنگلی پھل کھا لیا کرتا۔ اس فطری زندگی گزارنے کا اچھا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے ہاتھ پاؤں خوب مضبوط ہو گئے تھے۔ وہ اپنے اندر ایک نئی توانائی محسوس کرنے لگا۔ لنگوروں اور بندروں کی طرح ایک شاخ سے دوسری شاخ پر جست لگانا اور تیز دوڑنا اس کا معمول بن چکا تھا۔ اس کا دوست بندر بھی اس کے ساتھ ہوتا۔

ہاں! اس کے ایک معمول میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ وہ روزانہ ساحل پر بنی ہوئی ایک اونچی سی چٹان پر جا بیٹھتا اور گھنٹوں سمندر کی طرف دیکھتا رہتا۔ اس نے سوچا تھا کہ کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی جہاز یہاں سے گزرے گا تو وہ اُسے اپنی مدد کے لیے پکارے گا۔ مگر اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اسے کسی جہاز کی جھلک تک دِکھائی نہ دی تھی۔

کچھ وقت اور گزر گیا۔ ایک روز جب سورج کی روشنی پھیل چکی تھی سام حسبِ معمول جنگل میں گھوم رہا تھا۔ ریڈ پرل اس وقت بھی اس کے کندھے پر سوار تھا۔ گھومتے گھومتے سام کی نظر ایک خوب صورت سی بیل پر پڑی۔ وہ وہیں پر ٹھیر گیا اور بہ غور اُسے دیکھنے لگا۔ اس نے اس جنگل میں اور بھی کئی بیلیں دیکھی تھیں مگر اس بیل کی خوب صورتی کچھ اور ہی قسم کی تھی۔ کِھلتے ہوئے سبز رنگ کے بڑے بڑے پتّوں کی یہ بیل جس میں ہلکے گلابی رنگ کے پانچ پانچ پتّیوں کے پھول لگے ہوئے تھے سام کو بے حد اچھی لگی۔ سام اس بیل کا پھول توڑنے کے لیے آگے بڑھا۔ اچانک ایک زبردست دہاڑ سے پورا جنگل گونج اُٹھا۔ سام جہاں تھا وہیں رُک گیا۔ جنگل میں یک لخت خاموشی چھا گئی۔ غالباً قریب ہی کوئی شیر چھُپا بیٹھا تھا اور اسے جنگل میں کسی اجنبی کی آمد کا احساس ہو گیا تھا۔

سامنے کی جھاڑیوں میں سرسراہٹ ہوئی اور سام کو شیر کے اگلے پنجے نظر آ گئے۔ وہ جھاڑیوں سے باہر آ رہا تھا اور اس سے پہلے کہ شیر مکمل طور پر سامنے آتا سام نے ایک جست لگائی اور دوسرے ہی لمحے وہ ایک درخت کی اونچی شاخ پر پہنچ چکا تھا۔ وہ اب شیر کی پہنچ سے دُور تھا مگر اس کا دل اب بھی زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اسے جنگل میں رہتے ہوئے ایک عرصہ بیت چکا تھا مگر کسی

درندے کا آمنا سامنا آج پہلی بار ہوا تھا۔
سام درخت کی شاخ پر بیٹھا آنکھیں پھاڑے شبیر کو دیکھ رہا تھا جو اب اس کی نگاہوں کے بالکل سامنے تھا اور اس کو خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ کئی لمحے گزر گئے۔ درخت پر بیٹھے بیٹھے سام کے ہاتھ پاؤں سُن ہونے لگے۔ سام کو شبیر کے ٹلنے کا مزید انتظار نہ کرنا پڑا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ایک طرف چلنے لگا۔ شاید وہ بھی سام کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا تھا۔ سام اس کو دُور تک جاتا ہوا دیکھتا رہا اور پھر شیر درختوں اور جھاڑیوں کے جُھنڈ میں غائب ہو گیا۔ سام نے اطمینان کا سانس لیا اور آہستہ آہستہ درخت سے نیچے اُتر آیا۔ آج اُسے پہلی بار اِس بات کا احساس ہوا کہ اس کے پاس اس قسم کی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہے۔
پھر اسے ریڈ پرل کا خیال آیا جو اس کے کندھے سے اُتر کر اُسی وقت جنگل میں نہ معلوم کس طرف نکل گیا تھا جب شبیر کی دہاڑ سنائی دی تھی۔
"ریڈ پرل .... ریڈ ریڈ رر پرل پرل ل ل ...."
سام نے ریڈ پرل کو آواز دی مگر اس کی آواز گونج کی صورت میں واپس آگئی۔ اس نے ایک بار پھر ریڈ پرل کو آواز دی مگر اب بھی کوئی جواب نہ آیا اور نہ ریڈ پرل خود آیا۔ سام ایک ایک درخت اور ہر جھاڑی کو بہ غور دیکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ ریڈ پرل یہیں کہیں کسی درخت یا جھاڑی میں چھپا بیٹھا ہو گا۔ وہ ریڈ پرل کو آوازیں بھی دیتا جا رہا تھا، یہاں تک کہ وہ ریڈ پرل کی تلاش میں گھنی اور کانٹے دار جھاڑیوں سے اُلجھتا، گرتا پڑتا جنگل میں کافی آگے تک نکل آیا۔ یہاں جنگل کافی گھنا اور تاریک تھا۔ سورج کی روشنی بہ مشکل تمام زمین تک پہنچ رہی تھی۔
وہ تھک چُکا تھا۔ اِس کے ہاتھوں اور چہرے پر نوکیلے کانٹوں والی جھاڑیوں نے خراشیں ڈال دی تھیں اور اب اِن سے خون رِس رہا تھا۔ آخر اس نے سوچا، "ریڈ پرل مجھے بھی خوب پہچانتا ہے اور اُس غار کو بھی جہاں میں رہتا ہوں۔ مجھے واپس چلنا چاہیے ریڈ پرل خود ہی وہاں پر پہنچ جائے گا۔"
وہ واپس جانے کے لیے مڑا ــــ مگر یہ کیا؟ اس کی تو سمجھ میں ہی نہ آیا کہ وہ کس راستے پر یہاں پہنچا تھا اور اب کس راستے سے واپس جانا ہے۔ آخر اُس نے اپنے اندازے کے مطابق ایک طرف قدم بڑھانے شروع کیے۔ مگر چند قدم چلنے کے بعد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ وہ راستہ نہیں

جہاں سے وہ آیا تھا۔ سام نے اس راستے کو چھوڑ کر دوسری سمت میں بڑھنا شروع کیا، مگر دس بیس گز دُور چلنے کے بعد اُسے رک جانا پڑا۔ وہ ٹھٹھک کر رہ گیا۔ اس کی آنکھوں کے بالکل سامنے درختوں کی مضبوط شاخوں اور ناریل کے بڑے بڑے پتّوں کی مدد سے بنائی گئی ایک جھونپڑی موجود تھی۔

"جھونپڑی اور یہاں!" سام کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ظاہر ہے کہ اس جھونپڑی کو یہاں بنانے کا کارنامہ کسی انسان نے ہی انجام دیا ہو گا، مگر کس نے؟ سام کی سمجھ میں یہ بات بھی نہ آسکی کہ یہ جھونپڑی جنگل کے اتنے گھنے اور تاریک حصّے میں ہی کیوں بنائی گئی ہے۔ ساحل کے آس پاس بھی بہت جگہ موجود تھی!

جھونپڑی میں ایک طرف اتنا بڑا راستہ موجود تھا جس میں سے ایک آدمی بہ آسانی اندر آ اور جا سکتا تھا۔ سام نے جھونپڑی کے قریب پہنچ کر احتیاط سے اندر جھانکا۔ خوف کے مارے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ایک انسانی ڈھانچہ جھونپڑی کے اندر چاروں خانے چت پڑا تھا اور اس کی پسلیوں میں لمبے پھل والا خنجر پھنسا ہوا تھا۔

سام کے قدم جیسے زمین نے پکڑ لیے۔ کچھ دیر تک تو اُسے اپنا ہوش ہی نہ رہا۔ پھر وہ آہستہ سے جانے کے لیے پلٹا۔ ایک خیال تیزی سے اس کے ذہن میں آیا، "کیوں نہ میں خنجر اپنے ساتھ لے چلوں؟" اس نے سوچا اور پھر دوبارہ جھونپڑی میں داخل ہو کر خنجر ڈھانچے کی پسلیوں سے کھینچ کر اپنے لمبے بُوٹ میں محفوظ کر لیا اور جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔

ایک بار پھر وہ جنگل میں تنہا بھٹک رہا تھا، مگر اس دفعہ اس کو اطمینان تھا کہ اب اس کے پاس ایک ہتھیار یعنی خنجر موجود ہے۔ اگر کسی درندے کا سامنا ہو جائے تو وہ اس کا مقابلہ کر ہی سکتا ہے۔

سام رُکے بغیر چلتا رہا۔ چلتے چلتے سام کی نظر درختوں کی اونچی شاخوں پر بیٹھے ہوئے لنگوروں اور بندروں پر پڑی۔ اس تمام عرصے میں وہ ریڈ پرل کو بُھلا ہی بیٹھا تھا۔ اب جو اس نے بندروں کو دیکھا تو اِسے ریڈ پرل یاد آ گیا۔ اس نے غور سے درختوں پر بیٹھے ہوئے بندروں کو دیکھا۔ اُسے اپنے ریڈ پرل کی خوب پہچان تھی، مگر ان میں اُسے ریڈ پرل پھر بھی نظر نہ آیا۔ "معلوم نہیں کہاں چلا گیا؟" سام نے سوچا۔ "خیر جہاں بھی ہو گا، آئے گا تو میرے پاس ہی۔ کم از کم جانوروں سے بے وفائی کی اُمید نہیں کی جا سکتی۔"

سام اب گھنے جنگلوں سے نکل چکا تھا۔ اچانک اس کے کانوں نے سمندر کی لہروں کا مدھم سا شور سُنا اور پھر ذرا ہی دیر میں اسے اپنے جانے پہچانے راستے دکھائی دینے لگے۔ اُس نے اطمینان کا سانس لیا۔ اُسے راستہ مِل چکا تھا۔

رات کو جب سام اپنے غار میں سونے کے لیے لیٹا تو وہ گھنے جنگل کے بیچ میں بنی ہوئی جھونپڑی اور اس میں موجود انسانی ڈھانچے کے متعلق سوچنے لگا۔ وہ اب تک یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ جنگل کے تاریک اور گھنے حصّے میں وہ جھونپڑی کس مقصد کے لیے بنائی گئی ہے۔ اس میں انسانی ڈھانچا کس کا تھا؟ اُسے کس نے قتل کیا تھا اور کیوں؟

اُس نے اپنے لمبے بُوٹ میں محفوظ کیا ہوا خنجر نکال کر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اُسے اُلٹ پُلٹ کر دیکھنے لگا۔ "اس خنجر کی موجودگی سے اس بات کا صاف پتا چلتا ہے کہ یہاں کوئی پہلے بھی آتا رہا ہے۔ اور اس خنجر سے ایک انسان کا قتل بھی کیا جا چکا ہے .... پھر تو مجھے محتاط رہنا ہو گا۔"

سام کی سوچوں کا سلسلہ اس وقت ٹوٹ گیا جب اس کی نظر خنجر کے دستے پر کھُدے ہوئے

باریک حروف پر پڑی، شاید کوئی نام لکھا تھا:
"ہیری جیرالڈ" سام نے زیر لب پڑھا۔
"شاید یہ اس کے مالک کا نام ہوگا" سام نے سوچا اور پھر خنجر کو دوبارہ اپنے لمبے بوٹ میں محفوظ کر لیا۔ خنجر کو چھپانے کی اس سے بہتر جگہ اور کوئی نہ تھی۔
سام کو پھر ریڈ پرل کے خیال نے آ لیا۔ ریڈ پرل سے سام کی دوستی اس قدر مضبوط ہوگئی تھی کہ اب سام اپنے آپ کو اس کے بغیر ادھورا سمجھتا مگر اب خبر نہ تھی کہ وہ کہاں ہے۔ سوچتے سوچتے سام کو نیند آگئی۔ خواب میں بھی وہ یہی دیکھتا رہا کہ بہت سے انسانی ڈھانچوں نے مل کر اس پر حملہ کر دیا ہے اور وہ اکیلا ان سے مقابلہ کر رہا ہے۔
دوسرے دن صبح جب سام کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ باہر موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ ہر طرف دھند سی چھائی ہوئی تھی اور سمندر کی بپھری ہوئی جھاگ اڑاتی موجیں ساحل کی چٹانوں سے اپنا سر ٹکرا رہی تھیں۔ سام کی نگاہوں میں کئی مہینے پہلے تباہ ہونے والے بحری جہاز کا منظر گھوم گیا۔ اس کو جھرجھری آگئی۔ اس موسلا دھار بارش میں باہر نکلنا ممکن نہ تھا۔ چناں چہ اس نے پہلے سے غار میں جمع کیے ہوئے ناریلوں میں سے ایک ناریل اٹھا لیا اور اسے کھانے لگا۔ کھاتے کھاتے اس کی نظر غار میں ایک طرف رکھی ہوئی کشتی پر جا پڑی۔ اس کے اندر دو چپو بھی رکھے ہوئے تھے۔ جب سے وہ یہاں آیا تھا اس نے ایک بار بھی کشتی کو استعمال نہ کیا تھا۔ استعمال کرتا بھی تو کیوں کر؟ اس کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔
کافی دیر بعد جب بارش تھمی تو وہ اپنے غار سے باہر نکلا۔ فضا میں بارش کی خوش بو بکھری ہوئی تھی۔ جنگل کی ہر چیز دھل کر نکھر گئی تھی۔ رنگ برنگے پرندوں کی چہکار سے ایک بار پھر سارا جنگل گونج رہا تھا۔ ساحل سے ٹکراتی ہوئی سمندر کی لہریں، پرندوں کی چہکار، ہرے بھرے بارش سے نکھرے نکھرے درخت، پھول اور پودے اور ان کے گھرے گھنے تنے اور آسمان پر چھائے ہوئے کالے اور سفید بادل! کتنا اچھا لگ رہا تھا یہ سب کچھ! سام کا دل بے اختیار جھوم اٹھا۔
اس روز جب سام جنگل میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ روز کی طرح آج بھی بندر اور لنگور اونچی اونچی شاخوں پر بیٹھے ہیں مگر آج وہ ایک شاخ سے دوسری شاخ پر چھلانگیں نہیں مار رہے تھے۔ ان کے منھ لٹکے ہوئے تھے اور وہ اپنی اپنی جگہوں پر دبکے ہوئے بے چارگی سے ایک

دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ جلد ہی اس کی وجہ بھی سام کی سمجھ میں آگئی۔ دراصل وہ بارش کی آمد سے پریشان تھے اور بھیگ چکے تھے۔ سام کو یہ صورت خاصی مضحکہ خیز لگی۔ وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

ریڈ پرل کو غائب ہوئے خاصا عرصہ گزر چکا تھا۔ سام نے اُسے جنگل میں ہر جگہ تلاش کیا، اُسے آوازیں دیں مگر اس کا کہیں سراغ نہ مل سکا اور نہ ریڈ پرل خود سام کے پاس آیا۔ آخر تھک ہار کے سام نے اس کی تلاش چھوڑ دی۔ آہستہ آہستہ سام کے ذہن سے ریڈ پرل کا خیال محو ہوتا گیا اور وہ اُسے بالکل ہی فراموش کر بیٹھا۔

سورج ڈھل رہا تھا۔ سمندر پر پڑتی ہوئی اس کی کرنیں خوب صورت منظر پیش کر رہی تھیں۔ سام حسبِ معمول چٹان پر بیٹھا کسی بحری جہاز کی آمد کا منتظر تھا، مگر آج بھی اس کی اُمید بر نہ آئی تھی۔

اس روز رات کو سام اپنے غار میں لیٹا سوچ رہا تھا "کیا میری زندگی اسی ساحل پر اِسی جنگل میں جنگلی جانوروں کے ساتھ ہی گزرے گی؟ مانا کہ یہاں کی زندگی بہت خوب صورت اور ہر فکر سے آزاد ہے، مگر کیا میں کبھی یہاں سے نکل بھی سکوں گا؟ ایک روز میں مر جاؤں گا، کسی کو خبر بھی نہ ہوگی اور میری لاش جنگلی جانور پھاڑ کھائیں گے۔ آخر کیا انجام ہوگا میری زندگی کا؟"

سام کو اپنے بوڑھے انکل فریڈرک یاد آئے جنھوں نے فلوریڈا کی بندرگاہ پر بڑی محبت سے اور بہت سی دعائیں دے کر اسے رخصت کیا تھا۔ سام کو اب ان کی کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کس حال میں ہیں؟ سوچتے سوچتے نہ معلوم کب سام کی آنکھ لگ گئی۔

دوسرے دن صبح سام ابھی پوری طرح جاگا بھی نہ تھا کہ اچانک اس کو ایسا محسوس ہوا جیسے بہت سے لوگ زور زور سے باتیں کر رہے ہوں۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ شاید خواب دیکھ رہا ہے مگر جب اسے فائر کی آواز اور اس کے فوراً بعد ایک انسانی چیخ سنائی دی تو وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا اور آنکھیں ملتے ہوئے غار سے باہر نکلا ہی تھا کہ ایک منظر دیکھ کر چونک پڑا۔ ایک بحری جہاز ساحل پر لنگر انداز تھا اور اس سے کچھ فاصلے پر سام ہی کی عمر کا ایک آدمی رسّیوں سے جکڑا ہوا ریت پر پڑا تھا۔ اس کے شانے سے خون بہ رہا تھا، غالباً فائر اسی پر کیا گیا تھا۔ اس آدمی نے صرف پتلون پہن رکھی تھی۔ اس کے جسم پر ہنٹر پڑنے کے سُرخ نشانات واضح طور پر دیکھے جا سکتے تھے۔ اس کے چہرے پر نفرت اور بے بسی کے تاثرات نمایاں تھے۔ (جاری ہے)

بزم ہمدرد نونہال

۲۹ جنوری ۱۹۸۹ء اتوار کے دن اباسین آرٹس کاؤنسل کے نشتر ہال میں بزم ہمدرد نونہال منعقد ہوئی۔ اس میں پشاور کے مختلف اسکولوں کے طلبہ و طالبات نے حصہ لیا۔ بزم کا موضوع تھا:

سائنس پڑھو آگے بڑھو

اس تقریب کے مہمانِ خصوصی صوبۂ سرحد کے وزیرِ تعلیم جناب محترم ولی محمد خاں تھے۔ ۳ بجے بزم کا آغاز تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ قاری تھے نونہال فرزند علی خواجہ۔ اس کے بعد حور اِرَم نے نعتِ رسولؐ پیش کی۔ شاہین ماڈرن اسکول کے نونہالوں نے ایک ملّی نغمہ پیش کیا۔ بزم کے میزبان جناب حکیم محمد سعید نے نونہالوں کو سائنس کی اہمیت بتائی اور ان پر زور دیا کہ سائنسی تعلیم حاصل کریں، کیوں کہ اسی میں نہ صرف پاکستان کی ترقی کا راز ہے بلکہ موجودہ دَور کی ترقی بھی صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہمارے نونہال جن کو کل ملک کی باگ ڈور سنبھالنی ہے۔ اس شعبے میں اپنی صلاحیتیں بڑھائیں تاکہ ہمیں اچھے ہُنرمند اور ماہر سائنس داں مل سکیں۔

مہمانِ خصوصی جناب ولی محمد خاں نے اپنی تقریر میں کہا:

"آپ اپنی پوری توجہ تعلیم حاصل کرنے پر لگائیں۔ آپ کو مستقبل میں بہت سی ذمّے داریاں سونپی جانے والی ہیں۔ میں والدین اور اساتذہ سے بھی گزارش کروں گا کہ وہ بھی اس سلسلے میں اپنی ذمے داریاں پوری کریں اور نونہالوں کی ذہنی اور جسمانی تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑیں۔"

تقریری سلسلے میں میونسپل پبلک اسکول کے انیس الرحمٰن، اسلامیہ کالجیٹ کے طفیل احمد، پی۔اے۔ایف ماڈل اسکول کے عثمان ودود، اوکسفرڈ ماڈل اسکول کے ارشد علی شاہ اور خلیل مہمند، کیمبرج اسکول کے محمد شفیع نے بڑی دھواں دھار تقریریں کیں۔

اس بار بزم ہمدرد نونہال میں نونہال سائنس دانوں کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ انھوں نے اپنے اپنے سائنسی پروجیکٹ پیش کیے اور ان کی تفصیلات بتائیں۔

تقریب کے آخر میں انعامات تقسیم کیے گئے اور پھر مہمانوں کی تواضع کی گئی۔

مہمانِ خصوصی جناب ولی محمد خاں وزیرِ تعلیم صوبۂ سرحد، جناب حکیم محمد سعید اور انعام یافتگان

ایک نونہال موجد اپنے سائنسی پراجیکٹ کے بارے میں بتا رہا ہے

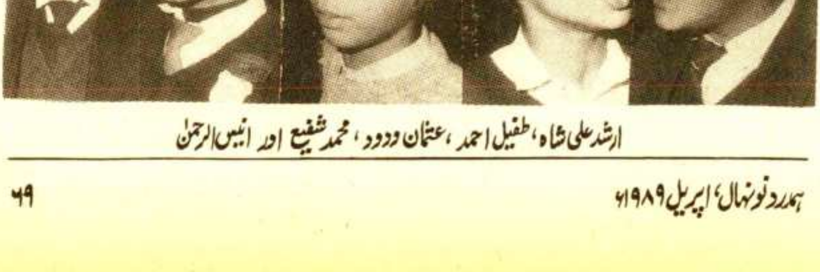

ارشد علی شاہ، طفیل احمد، عثمان ودود، محمد شفیع اور انیس الرحمٰن

بزم ہمدرد نونہال راولپنڈی

اس مرتبہ بزم ہمدرد نونہال راول پنڈی میں "سائنس پڑھو، آگے بڑھو" کے عنوان پر نونہالوں اور اُن کی ایجادات کی داد دینے کے لیے پاکستان کے نام ور سائنس داں جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں مہمان خصوصی کی حیثیت سے مدعو کیے گئے تھے۔ ایٹمی توانائی کے میدان میں ڈاکٹر صاحب کا نام مہارت اور عزت کی بلندیوں پر ہے۔ نونہال کمپیئروں نے قرآن پاک کی تلاوت کے لیے شکیل مُنیر کو دعوت دی۔ پھر محمد علی نے نعتِ رسولؐ پیش کی۔ اس کے بعد آمنہ علی اور ساتھیوں نے ایک خوب صورت ملّی نغمہ پیش کیا۔ نغمہ ختم ہوا اور نونہالوں کی مقبول شخصیت جناب حکیم محمد سعید صاحب نے اُن سے باتیں کیں:

"آج کی بزم کا آغاز سورۂ رحمٰن کی تلاوت سے ہوا۔ یہ قرآن کی وہ مبارک سورہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے انسان کو عطا کی ہیں۔ ساتھ ہی میزان کا بھی ذکر فرمایا، اس کا مطلب ہے عدل، انصاف اور توازن۔ یعنی ہم ایک طرف تو اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ دوسری طرف اپنی زندگی میں توازن قائم کریں۔ میں اپنے تجربے کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ آج کی بزم کے مہمانِ خصوصی ڈاکٹر عبدالقدیر خاں اتنے بڑے سائنس داں ہیں کہ انھیں پاکستان کا آئنسٹائن کہنا بجا ہے۔"

حکیم صاحب کی تقریر کے بعد نونہال مقررین کی باری تھی۔ مہ ناز محبوب (راول پنڈی پبلک اسکول)، جواد بٹ (برائٹ فیوچر پبلک اسکول)، راحینہ سلیم رائے۔ جی سرسید گرلز اسکول)، فریدہ بیگ (جناح پریپریٹری اسکول) اور منزہ شیخ (برکت علی ماڈل اسکول) مقررین میں شامل تھے۔

اس مرتبہ بزم ہمدرد نونہال میں نونہال سائنس دانوں نے اپنے سائنسی پروجیکٹ دکھائے۔ ان میں گرامر پبلک اسکول کے سجاد امام اور محمد ندیم، لٹل اینجلز اسکول کے محمد ندیم اور محمد مصطفےٰ اور سرسید پبلک اسکول کے محسن اقبال اور ان کے ساتھی شامل تھے۔ اب باری تھی مہمانِ خصوصی کی۔ جناب عبدالقدیر نے نونہالوں سے کہا کہ وہ پاکستان کی سربلندی کے لیے مشکل حالات سے مقابلہ کرنے کا جذبہ پیدا کریں اور ذاتی فائدوں سے بے پروا ہو کر سائنسی تعلیم اور تحقیق میں حصہ لیں۔ اسی میں پاکستان کی ترقی کا راز ہے۔ پروگرام کے آخر میں "سائنس پڑھو۔ آگے بڑھو" کے موضوع پر جناح پریپریٹری اسکول کے نونہال نے ٹیبلو پیش کیا۔ بعد میں انعامات دیے گئے۔

مہ ناز محبوب

محمد علی

جواد بٹ

منزہ شیخ

فریدہ بیگ

راحیق سلیم

سجاد امام اور محمد ندیم

محمد ندیم اور محمد مصطفیٰ

محسن اقبال اور ساتھی

بزم ہمدرد نونہال لاہور

۳ فروری ۱۹۸۹ء کو لاہور میں ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کے زیرِ اہتمام بزم ہمدرد نونہال کی ایک رنگارنگ تقریب منعقد ہوئی جس میں دس اسکولوں کے بچّوں نے حصہ لیا۔ اس تقریب کا عنوان تھا: "سائنس پڑھو — آگے بڑھو"۔ مہمانِ خصوصی جناب علی ناصر زیدی تھے۔ انھوں نے اپنے مختصر خطاب میں نونہالوں پر زور دیا کہ وہ اپنی تعلیم کی طرف زیادہ توجہ کریں اور خصوصی طور پر سائنس کی تعلیم حاصل کریں۔ طلبہ اور طالبات کو مختلف سائنس دانوں کے حالاتِ زندگی اور ان کی ایجادات کا جائزہ لینا چاہیے۔

بزم ہمدرد نونہال کے میزبان جناب حکیم محمد سعید صاحب نے کہا، "سائنس اور ٹکنالوجی کا رشتہ ایک ہزار سال پُرانا ہے۔ روس نے جو پہلا سیارہ خلا میں بھیجا تھا اس کی ٹکنالوجی عرب سے حاصل کی گئی تھی۔ اس بات کا اقرار خود روسیوں نے کیا۔

بزم کے شروع میں تلاوت قرآن مجید، شاہ زیب (جناح فاؤنڈیشن اسکول) نے کی۔ نعت نونہال سہیل سلامت نے پیش کی۔ اس کے بعد بیکن ہاؤس پبلک اسکول کی شہیرا اور ساتھیوں نے نغمہ پیش کیا۔ جناح فاؤنڈیشن اسکول، ماڈل ٹاؤن کی سمیعہ اکرم، ارم، سمیعہ خانم اور ان کی ساتھیوں نے بھی ایک خوب صورت نغمہ پیش کیا۔

اس کے بعد تقریروں کی باری تھی۔ نونہال عالمگیر احمد (کریسنٹ ماڈل اسکول)، نونہال تحسین کوثر (سر سید فاؤنڈیشن گلبرگ)، نونہال عدیم سلطان (جناح فاؤنڈیشن اسکول)، نونہال مظہر فاروق (قومی فاؤنڈیشن ہائی اسکول)، نونہال سلمان بن طیب (بیکن ہاؤس ڈیفنس کالونی) اور نونہال نعیم اسلم (ایری پبلک اسکول، ریواز گارڈن) نے تقریریں کیں۔ نونہال موجد اور سائنس داں میں نونہال ولید جمال، نونہال تہنیت بلال، نونہال ضیا احمد اور نونہال احسن حبیب نے حصہ لیا۔

تقریروں پر جن بچّوں نے پہلا، دوسرا اور تیسرا انعام حاصل کیا۔ ان کے نام یہ ہیں: پہلا انعام نونہال عدیم سلطان، جناح فاؤنڈیشن اسکول۔ دوسرا انعام — نونہال تحسین کوثر، سر سید فاؤنڈیشن گلبرگ۔ تیسرا انعام — نونہال نعیم اسلم، ایری پبلک اسکول ریواز گارڈن۔

سینٹ انتھونی کے نونہال احسن حبیب بہترین سائنسی ماڈل پیش کر کے پہلے نمبر پر رہے۔

فاروق مظہر — عالمگیر احمد — عدیم سلمان — تحسین کوثر

شاہ زیب حسن — سہیل سلامت — سلمان بن طیب — نعیم اسلم

ولید جمال، احسن حبیب، ضیا احمد اور تہنیت بلال سائنسی ماڈل پیش کر رہے ہیں۔

بزم ہمدرد نونہال، کراچی

"بچّو! مجھے اس وقت تم پر رشک آرہا ہے کہ ہم تم جیسے کیوں نہ ہوتے۔ ہمیں کوئی حکیم سعید نہ ملا۔ جو بچّوں کو ایک پلیٹ فارم دیتا۔ حکیم صاحب لوگوں کو خطابات دیتے رہتے ہیں۔ آج میں ان کو ایک خطاب دینا چاہتی ہوں۔ "بابائے نونہال"، "قائدِ نونہال" کیا خطاب دوں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

ان خیالات کا اظہار محترمہ ڈاکٹر نسیمہ ترمذی صاحبہ نے ۲۳ فروری بروز جمعرات کو کراچی کے آواری ٹاورز میں ہمدرد فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام منعقدہ "بزم ہمدرد نونہال" کی تقریب میں بچّوں اور بڑوں سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔

بزم ہمیشہ کی طرح اس بار بھی تلاوتِ کلام پاک سے شروع ہوئی، مگر اس مرتبہ تلاوت کسی نونہال نے نہیں کی تھی۔ اس مرتبہ کمپیوٹر نے تلاوت کی۔ اس کے لیے ممتاز پاکستانی سائنس دان جناب فضل الرحمٰن علوی مبارک باد کے مستحق ہیں جنھوں نے یہ کارنامہ انجام دیا۔

اس کے بعد نونہال کمپیئر حنا مُزمل نے فرح ممتاز کو نعت پڑھنے کی دعوت دی۔ پھر پروگریسیو چلڈرن اکیڈمی کے نونہالوں نے "نغمۂ سائنس" پیش کیا۔ اب باری تھی پاکستان کے نونہالوں کے دوست کی۔ حکیم صاحب نے آج اپنے روایتی، ہلکے پھلکے اور دل نشیں انداز میں باتیں کیں، نصیحتیں کیں۔ تجویزیں پیش کیں۔ مشورے دیے۔ ہدایتیں دیں اور دُعائیں دیں۔ لطیفے سُنائے اور کہانیاں سُنائیں۔ غرض اپنے مخصوص انداز میں نونہالوں سے وہ سب کچھ کہہ گئے جس کی آج بے حد ضرورت ہے۔

فیصل حسن (راحت پبلک اسکول)، پروین ناز (سرسید چلڈرن اکیڈمی)، عروج اخلاق (گلستان اسکول)، عمران گل (لٹل اسٹار اسکول)، نعمان بن ناصر (ایچی سن ماڈل اسکول) نے تقریریں کیں۔

آغاخاں بوائز اسکول کے نونہال محمد یونس، عائشہ باوانی اسکول کی لبنیٰ حسین اور گرینڈ فوکس اسکول کے طارق صدیقی نے اپنے اپنے سائنسی پروجیکٹ دکھائے۔

تقریب کے اختتام پر انعامات تقسیم کیے گئے۔ نونہال مقررین میں عمران گل اوّل رہے اور موجد اور سائنس داں نونہالوں میں لبنیٰ حسین نے پہلی پوزیشن حاصل کی۔

میزبان جناب حکیم محمد سعید، مہمانِ خصوصی ڈاکٹر نسیمہ ترمذی، نونہال مقرر عمران گل اور پروین ناز

نونہال سائنس داں لُبنیٰ حسین، محمد یونس اور طارق صدیقی

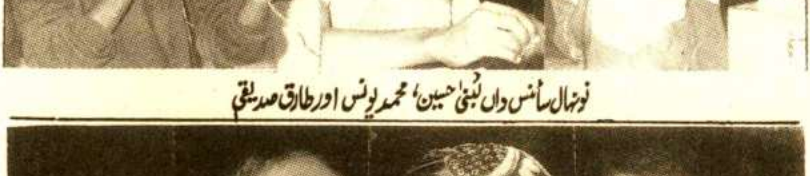

عروج اخلاق فرح ممتاز نعمان بن ناصر اور فیصل حسن

رُوح افزا

اس کی سب سے اچھی تعریف یہ ہے کہ
"یہ سب سے اچھا ہے"

مشروبِ مشرق رُوح افزا کی یہ تعریف بے شمار باذوق شائقین کی پسندیدگی کی سند ہے۔
رُوح افزا کی فروخت دوسرے تمام شربتوں کی مجموعی فروخت سے کہیں زیادہ ہے
... یہ اس کی تعریف کا عملی ثبوت ہے۔

رنگ، خوشبو، ذائقے، تاثیر اور معیار میں سب سے اچھا

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

رُوح پاکستان - رُوح افزا
راحت جان - رُوح افزا

خدمتِ خلق رُوحِ اخلاق ہے

ADARTS

HMD-8/87

بانس
بڑے کام کی چیز ہے

سید رشید الدین احمد

بانس سے کون واقف نہیں۔ پاکستان بننے کے بعد لاکھوں بے گھر افراد کو سر چھپانے کے لیے اسی سے کام لینا پڑا تھا۔ آج بھی ملک بھر میں جھونپڑیاں یا جھگیاں بانس کے بغیر نہیں بنتیں۔ جھگیوں کے علاوہ اس کے بے شمار استعمال ہیں۔ مکانوں کی تعمیر میں باڑ اسی سے باندھی جاتی ہے۔ سیڑھیاں اسی سے بنتی ہیں۔ جن ملکوں میں بانس پیدا ہوتا ہے وہاں اس کے بے شمار استعمال ہیں۔ ٹوکریاں اسی سے بنائی جاتی ہیں۔ چٹائیاں، فرنیچر، گاڑیوں کے ڈھانچے، چھتیں، آرائشی چیزوں کے علاوہ دوسری بے شمار چیزیں اسی سے بنائی جاتی ہیں۔ اس کے طبّی اور دوائی فائدے بھی ہیں۔

بانس پاکستان میں نہیں ہوتا، لیکن سابق مشرقی پاکستان اور موجودہ بنگلہ دیش کے علاوہ سری لنکا، ملائشیا، چین، جاپان اور انڈونیشیا وغیرہ میں اس کے گھنے جنگل ہوتے ہیں۔ یہ درخت بارش والے علاقوں میں اُگتا ہے۔ پاکستان میں تجربات سے ظاہر ہوا ہے کہ اسے بندوں، جھیلوں اور دریاؤں کے کنارے بھی اُگایا جا سکتا ہے۔ اس کے جنگلات کی پٹی اگر دریاؤں اور نہروں کے کنارے اُگائی جائے تو اس سے زمین کٹنے بہنے سے بچ

جاتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اُس کے اُگانے کے لیے کسی خاص جتن کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اسے ایک بے روگ درخت بھی سمجھا جاتا ہے۔ یعنی اس پر بیماریاں حملے نہیں کرتیں۔

بانس مشرقِ بعید کا درخت ہے، اس لیے ان ملکوں میں اسے مختلف طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے۔ اوسبیک نامی ایک مغربی سیّاح نے ۱۷۱۰ء میں اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ چین میں مزدوروں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ناخن پابندی کے ساتھ کاٹتے رہیں، لیکن دولت مند اور امیر امرا بڑے شوق سے ناخن پالتے ہیں۔ وہ اپنے ان لمبے لمبے ناخنوں کے لیے بڑے جتن کرتے ہیں۔ انھیں دھوتے اور صاف رکھتے ہیں جس کی وجہ سے وہ بالکل شفاف نظر آتے ہیں۔ رات کے وقت انھیں ٹوٹنے سے بچانے کے لیے بانس کے خول ان پر چڑھا کر سوتے ہیں۔

چینی ہزاروں سال سے بانس استعمال کر رہے ہیں۔ مشرقی ملکوں میں چین کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ یہ ملک قدیم ٹکنالوجی کا گھر ہے۔ چین نے ٹکنالوجی کے سلسلے میں دنیا کو بہت کچھ دیا۔ چینی ٹکنالوجی میں بانس کو بڑی اہمیت رہی ہے۔ چینی عوام نے بانس سے جو چیزیں بنائی ہیں ان کی فہرست بہت طویل ہے۔

چین میں بانس کو مکانات کی تعمیر کے علاوہ جن دوسرے کاموں میں بھی استعمال کیا جاتا رہا ہے ان میں کاغذ سازی، ٹوکریوں، ٹوپیوں، چٹائیوں اور کھانے کی تیلیوں کی تیاری شامل ہے۔ اس کے علاوہ چینی بانس سے مختلف قسم کے پکوان بھی تیار کرتے ہیں۔ وہ بانس کی نرم کونپلوں سے بڑے مزے کے کھانے پکاتے ہیں۔

امریکا میں جب پہلا فونوگراف تیار ہوا تو اس کو بجانے کے لیے بانس کی سوئی استعمال کی گئی۔ آج بھی مختلف ملکوں میں زیورات کو چمکانے کے لیے بانس کی راکھ استعمال کی جاتی ہے۔ برقی بیٹریوں کی تیاری میں بھی اسے استعمال کیا جاتا ہے۔

مشرقِ بعید کے ملکوں مثلاً ملائشیا وغیرہ میں بانس سے بندوقوں اور توپوں کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں چنگیز خان نے اپنے باغی بیٹے کو بانس کی توپوں کے ذریعے سے ہی شکست دی تھی۔ ملائشیا کے شکاری سو گز کے فاصلے سے بانس کے کھوکھلے تنے کی بندوق

سے ہرن کا شکار کر لیتے تھے۔

یہ تو سب نے دیکھا ہے کہ معذور افراد چلنے پھرنے کے لیے بیساکھیاں استعمال کرتے ہیں جو ہلکی قسم کی خاص لکڑی سے بنائی جاتی ہیں۔ یہ خاصی مہنگی ہوتی ہیں، اس لیے غریب ملکوں کے لوگ انھیں خرید نہیں سکتے۔ ماہرین نے اب بانس سے یہ کام لے کر ہلکی، عمدہ اور سستی قسم کی بیساکھیاں تیار کی ہیں۔ اس طرح دنیا کے غریب ملکوں کے معذور افراد یہ بیساکھیاں استعمال کر سکیں گے۔

آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم میں امریکا نے جاپان کے دو شہروں، ہیروشیما اور ناگاساکی پر دو ایٹم بم گرائے تھے۔ ان بموں نے جو تباہی مچائی ان کی داستان دنیا کو آج تک یاد ہے۔ ان بموں نے پلک جھپکتے میں بسے بسائے شہر کا صفایا کر دیا تھا۔ لاکھوں انسان، جانور، درخت، گھاس اور پودے جل کر راکھ ہو گئے تھے۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ درختوں میں بانس کے جھنڈ ایٹمی تباہی سے متاثر نہیں ہوئے۔ یہ صرف ایک طرف سے جلے۔ بانس کے درخت کی اس خوبی نے سائنس دانوں کو حیرت میں ڈال دیا۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ بانس گرم و تر آب و ہوا میں پیدا ہوتا ہے۔ یورپ اور امریکا کے سرد ملکوں میں یہ نہیں اُگتا، لیکن مغربی ملکوں میں بانس کی بنی ہوئی چیزیں بہت مقبول ہیں۔ قدیم زمانے میں اُبلے ہوئے انڈے کو کھانے کے لیے جو "ایگ کپ" یا انڈے کی پیالیاں استعمال ہوتی تھیں وہ بانس ہی کی بنی ہوتی تھیں۔ ان پیالیوں کی تیاری کے لیے بانس چین اور ہندستان وغیرہ سے فرانس لایا جاتا تھا اور پھر یہ کپ بنا کر یورپ کی منڈیوں میں فروخت کیے جاتے تھے۔

بانس کے جُھنڈ بڑے کام کی چیز ہوتے ہیں۔ جنگلی جانور ان میں پناہ لیتے ہیں۔ چڑیاں ان میں گھونسلے بناتی ہیں۔ یہ مرغیوں کے لیے بہتر پناہ گاہ ثابت ہوتے ہیں اور ان میں یہ چڑیاں بلّیوں وغیرہ سے محفوظ رہ سکتی ہیں۔

مارکو پولو ایک مشہور سیّاح تھا۔ آپ اس کے بارے میں بہت کچھ پڑھ چکے ہوں گے۔ اس نے برسوں چین میں قیام کیا۔ اپنے سفرنامے میں وہ لکھتا ہے کہ چین کے لوگ سفر کے دوران بانس سے پٹاخوں کا کام لیتے ہیں۔ جب وہ جنگلوں میں رات کے وقت پڑاؤ ڈالتے ہیں تو شیروں اور دوسرے درندوں سے بچاؤ کے لیے آگ جلا کر اس کے چاروں طرف بہت سے ہرے بانس

کاٹ کر زمین میں گاڑ دیے جاتے ہیں۔ آگ کی گرمی سے یہ بانس وقفے وقفے سے پٹاخوں کی طرح پھٹتے رہتے ہیں۔ اس آواز سے درندے جنگل چھوڑ جاتے ہیں۔ چینی بانس کی ٹوکریوں سے پانی اور کھانے کو ٹھنڈا رکھنے کا کام بھی لیتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے پانی کے برتن پر بانس کی ٹوکری رکھ دی جاتی ہے۔ اس ٹوکری پر کپڑا لپیٹ دیا جاتا ہے جو پانی کے برتن میں لٹکتا رہتا ہے۔ اب وقفے وقفے سے اس کپڑے پر پانی چھڑکا جاتا ہے۔ ہوا کے لگتے رہنے سے ٹوکری اور برتن کے اندر کی ہوا ٹھنڈی ہوتی رہتی ہے۔ اس طرح پانی یا کھانا ٹھنڈا رہتا ہے۔

مشرقِ بعید کے ملکوں میں بانس سے محفوظ اور ہلکی قسم کی کشتیاں بھی تیار کی جاتی ہیں۔

چینیوں نے ۲۰۰ قبل مسیح میں پہلی مرتبہ پتنگوں سے جنگوں میں کام لیا۔ پتنگوں کو اس وقت پیغام رسانی کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ ایک چینی جنرل ہان سین نے ایک قلعے کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ وہ اپنی فوجوں اور قلعے کا درمیانی فاصلہ ناپنا چاہتا تھا۔ یہ کام اس نے بانس سے بنے ہوئے پتنگوں سے لیا۔ جب پتنگیں قلعے کے اوپر پہنچ گئیں تو اس نے ان کی ڈور کی مدد سے قلعے کے فاصلے کا بالکل ٹھیک اندازہ لگایا اور پھر سُرنگ کھود کر قلعے میں چُپ چپاتے داخل ہو گیا۔

یہ بات تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ دنیا کا پہلا برقی قمقمہ (بلب) ایک سو سال پہلے بنا تھا۔ یہ بلب آج بھی امریکی دارالحکومت واشنگٹن کے اسمتھ سونین انسٹی ٹیوٹ میں رکھا ہے اور یہ جلتا بھی ہے۔ کہتے ہیں کہ بلب کے موجد تھامس ایڈیسن کو اپنے ایجاد کردہ بلب کو روشن کرنے کے لیے زرتار یا فِلامنٹ کی تلاش تھی۔ آخر ۱۸۸۰ء میں اس نے یہ کام بانس کے ریشے سے لینے کا فیصلہ کیا۔ اس نے دنیا بھر کے قسم قسم کے بانس جمع کیے اور ان پر تجربات کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک دن کویوٹو (جاپان) کے بانس سے وہ زرتار کی تیاری میں کام یاب ہو گیا۔ ۱۸۸۲ء میں اس نے جلنے والے روشن بلب تیار کرنے کے لیے ایک کمپنی قائم کی جن میں جاپانی بانس کے زرتار لگتے تھے۔ یہی بلب نیویارک کی تاریک راتوں کو روشن کرتے تھے۔

یہ نہ سمجھیے کہ اب بانس کے دن لد گئے ہیں اور وہ اب کام نہیں آتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اب بے حساب نئی چیزیں اور بانس کے نعم البدل نکل آئے ہیں، لیکن اس کے باوجود قدرت کی بے شمار چیزیں ایسی ہیں جن کا مقابلہ ممکن نہیں۔ ۱۹۵۵ء کی بات ہے امریکی محکمۂ

دفاع کو گرین لینڈ میں برفانی علاقے کی پیمائش میں بڑی دقتوں کا سامنا تھا۔ برف میں گاڑے جانے والے دھات کے کھمبے دھوپ سے گرم ہو کر برف میں دھنس کر غائب ہو جاتے تھے۔ یہ کام بانس کے کھمبوں سے لیا گیا، کیوں کہ یہ دھوپ سے گرم نہیں ہوتے تھے۔

گہرے سمندروں، جھیلوں اور دریاؤں میں مچھلی پکڑنے کے لیے جو جال ڈالے جاتے ہیں انھیں ٹھیک پوزیشن میں رکھنے کے لیے بھی بانس سے کام لیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے بڑے سائز کے بانس استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہاں آپ کو یہ بتانا مناسب ہوگا کہ گرم علاقوں کے بانس کی ایک قسم بہت لمبی اور موٹی ہوتی ہے۔ یہ بانس ستّر فیٹ طویل اور سات انچ موٹے ہوتے ہیں۔

پرانے زمانے میں ظالم بادشاہ بانس کو اذیت پہنچانے کے لیے بھی استعمال کرتے تھے۔ ایک ظالم بادشاہ کاؤ یانگ (۵۵۰ء تا ۵۵۹ء) نے ایک مذہبی اعزاز ملنے کی خوشی میں اپنے قیدیوں کو رہا کرنے کا اعلان کیا۔ اس نے شرط یہ رکھی کہ تمام قیدی ایک سو فیٹ بلند ایک مینار سے بانس کی چٹائیوں اور پَروں کے ساتھ چھلانگ لگائیں۔ اس نے اس ظالمانہ تقریب کا نام "تقریبِ رہائی" رکھا اور قیدیوں کو اس چھلانگ پر مجبور کیا۔ ایک ایک کر کے قیدی چھلانگ لگا لگا کر گرتے اور مرتے رہے۔ ظالم بادشاہ ہر موقع پر مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو جاتا تھا۔

جاپان کی ایک تعمیراتی کمپنی نے ایک اہم ریلوے پُل کی تعمیر کے لیے پہلے بانس سے نمونے کا ایک ۱۲۵ فیٹ بلند اور ۴۰۰ فیٹ لمبا پل بنایا اور پھر اس کی مدد سے لوہے کا اصل پُل تعمیر کیا۔

ان کے علاوہ بانس کے بے شمار استعمال ہیں۔ چین اور مشرقِ بعید کے ملکوں میں بانس کی کشادہ ٹوکریوں میں ریشم کے کیڑے پالے جاتے ہیں۔ اسی طرح کچّے بانس کے تنے کو بوتلوں کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ان میں تیل، دوائیں، شراب اور دیگر چیزیں رکھی جاتی ہیں۔ غرض کہ بانس بڑے کام کی چیز ہے۔

پاکستان میں اس کی کاشت میں اضافہ ہر لحاظ سے مفید ثابت ہوگا۔ اگر آپ کے صحن میں جگہ ہو تو کچھ بانس آپ بھی لگائیے۔ یہ آپ کے بہت کام آئے گا۔

کِس ملک میں کیا وقت ہوگا

احمد خاں خلیل

اس چارٹ میں یہ بتایا گیا ہے کہ کسی ملک کا وقت گرینچ (GMT) کے وقت سے کتنے گھنٹے آگے (+) یا پیچھے (-) ہے۔ مثال کے طور پر گرینچ کا وقت دن کے بارہ بجے لیجیے۔ جب گرینچ میں دن کے بارہ بجیں گے تو پاکستان (۵+) میں شام کے پانچ بجے ہوں گے۔ اسی وقت سعودی عرب (۳+) میں شام کے تین، بھارت (۵½+) میں شام کے ساڑھے پانچ اور جاپان میں (۹+) رات کے نو بجے ہوں گے۔ یہ تمام ملک گرینچ سے مشرق میں ہیں۔ جو ملک اس سے مغرب میں ہیں مثلاً ریاست ہائے متحدہ امریکا کا مشرقی حصہ یعنی نیویارک (۵-) کا وقت گرینچ سے ۵ گھنٹے پیچھے ہے، وہاں صبح کے ۷ بجے ہوں گے اور اسی وقت برازیل مشرقی (۳-) میں صبح کے نو بجے اور میکسیکو (۶-) میں صبح کے ۶ بجے ہوں گے۔ بڑے ملکوں (امریکا، اوسٹریلیا وغیرہ) میں تین چار معیاری وقت مقرر ہیں۔ ہم نے یہاں مثال کے لیے صرف ایک معیاری وقت دیا ہے۔

افغانستان	+۴½	کینیڈا (مشرقی)	-۵
الجیریا	جی ایم ٹی	چلی	-۴
ارجنٹینا	-۳	ڈنمارک	+۱
اوسٹریلیا	+۱۰	مصر	+۲
اوسٹریا	+۱	ایتھوپیا	+۳
بحرین	+۳	فجی	+۱۲
بنگلہ دیش	+۶	فن لینڈ	+۲
بیلجیم	+۱	فرانس	+۱
مشرقی برازیل	-۳	جرمنی	+۱
برما	+۶½	گھانا	جی ایم ٹی

یونان	+۲	پاکستان	+۵
ہانگ کانگ	+۸	فلی پین	+۸
آئس لینڈ	جی ایم ٹی	پرتگال	+۱
انڈیا	+۵½	قطر	+۳
انڈونیشیا	+۷	سعودی عرب	+۳
ایران	+۳½	سنگاپور	+۷½
عراق	+۳	صومالیہ	+۳
آئر لینڈ	جی ایم ٹی	اسپین	+۱
اٹلی	+۱	سری لنکا	+۵½
جاپان	+۹	سوڈان	+۲
اردن	+۲	سویڈن	+۱
کینیا	+۳	سوئٹزرلینڈ	+۱
کوریا	+۹	شام	+۲
کویت	+۳	تائیوان	+۸
لبنان	+۲	تھائی لینڈ	+۷
لیبیا	+۱	تونس	+۱
مغربی ملائشیا	+۷½	ترکی	+۲
میکسیکو	-۶	متحدہ عرب امارات	+۴
مراکش	جی ایم ٹی	برطانیہ	جی ایم ٹی
نیپال	+۵½	شمالی یمن	+۳
نیوزی لینڈ	+۱۲	جنوبی یمن	+۳
نائجیریا	+۱	ریاست ہائے متحدہ امریکا (مشرقی)	-۵
ناروے	+۱		
عمان	+۴		

وہ کون تھا؟

- وہ پونے دو سال کا تھا کہ یتیم ہو گیا۔
- اس نے غربت اور مفلسی کی گود میں آنکھ کھولی مگر اعلا تعلیم حاصل کی اور ملک کا سب سے بڑا لیڈر بنا۔
- وہ سارا سال کھیل کود میں گزارتا مگر امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہوتا۔
- تعلیم کے بعد وہ پرنسپل بنا، محکمۂ افیون کا افسر بنا، کمشنر بنا، اس کو وزارت پیش کی گئی، چیف سکریٹری بنانا چاہا، مگر اس نے غلامی پسند نہ کی اور آزادی کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی۔
- اُس نے انگریزی میں اخبار نکالا اور انگریز حاکموں سے اپنی انگریزی کا لوہا منوا لیا۔
- اس نے اُردو اخبار نکالا اور عوام کو جگا دیا۔
- وہ مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت مسلم لیگ کے بانیوں میں سے تھا، وہ جیل میں تھا مگر مُسلم لیگ کا صدر چُنا گیا اور اس لیے اس کی تصویر صدارت کی کرسی پر رکھی گئی۔
- وہ سچائی اور آزادی کے جرم میں بار بار قید کیا گیا مگر اس کا جذبہ بڑھتا ہی گیا۔
- وہ بیمار تھا، لیکن اس نے اخبارات نکالے، تقریریں کیں، دورے کیے، جلوس نکالے اور یورپ کے سات سفر کیے۔
- اُس نے بہت کم عمر پائی، کُل ۵۱ سال۔ آدھی عمر تعلیم حاصل کرنے میں صرف ہو گئی۔ آدھی عمر بیماری، قید اور سفر میں کٹی مگر وہ دُھن کا پکا اور بات کا سچا تھا۔ آزادی حاصل کرنے کی کوشش سے باز نہ آیا۔ یہاں تک کہ وطن کے لیے لڑتے جھگڑتے وطن سے دُور جان دے دی۔
- وہ کون تھا؟ وہ محمد علی جوہر تھا۔

- **محمد علی جوہر** کی مزے دار سبق آموز کہانی **جوہرِ قابل** میں پڑھو جو مسعود احمد برکاتی نے لکھی ہے۔

دوسرا ایڈیشن — قیمت: سات رُپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ناظم آباد، کراچی

سلسلہ ۲۷۶

معلوماتِ عامّہ

سوالات کی تعداد اس بار بھی دس ہے۔ تصویریں صرف دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی شائع کی جائیں گی۔ تو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ جوابات ۲۰ اپریل ۱۹۸۹ء تک ہمیں بھیج دیجیے۔ جوابات کے نیچے اپنا نام، پتا اور تصویروں کے پیچھے اپنا نام اور جگہ کا نام ضرور لکھیے۔

۱۔ غزواتِ نبویؐ میں سے اس پہلی جنگ کا نام بتائیے جس میں رسول اللہؐ سپہ سالار کی حیثیت سے خود شامل تھے؟

۲۔ بتائیے حضرت داتا گنج بخشؒ برِصغیر کے کس حکم راں خاندان کے دَور میں لاہور آئے تھے؟

۳۔ بتائیے مولانا محمد علی جوہر نے انگلستان کی کس یونی ورسٹی میں تعلیم پائی تھی؟

۴۔ پاکستان بننے کے بعد سب سے پہلے کون سی ریاست پاکستان میں ضم ہوئی تھی؟

۵۔ برف پر کھیلی جانے والی ہاکی (آئس ہاکی) کی ابتدا کس ملک میں ہوئی؟

۶۔ پاکستان کا سب سے بڑا دریا، دریائے سندھ ہے۔ بتائیے یہ کہاں سے نکلتا ہے؟

۷۔ دنیا کے اس واحد پرندے کا نام بتائیے جو سونگھ کر اپنی خوراک تلاش کرتا ہے؟

۸۔ بیسویں صدی کے مشہور مفکّر اور ادیب برٹرینڈ رسل کا تعلق کس ملک سے تھا؟

۹۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ "نکاراگوا" کس برِّاعظم میں واقع ہے؟

۱۰۔ بلغاریہ کے ساحل سے ٹکرانے والے سمندر کا نام معلوم ہے آپ کو؟

سائنسی اخبار

اشرف نوشاہی

اسکول کے بچّوں نے راکٹ اُڑایا

لندن میں اسکول کے سات بچّوں نے ایک فائرنگ رینج (وہ مرکز جہاں سے راکٹ اُڑائے جاتے ہیں) سے راکٹ اُڑایا۔ یہ فائرنگ رینج برطانیہ کے جنوب مشرقی حصّے میں واقع ہے اور برطانوی وزارتِ دفاع کے تحت کام کرتا ہے۔

اسکول کے ان بچّوں کی عمریں تیرہ سے سترہ برس کے درمیان ہیں اور اُن کے نام یہ ہیں: مگدا الینا۔ جارز یکوسکی، گیبون شیخ، انیل ارجن، جوزفین۔ ایلیٹ، چارلس بنجامن، دیپ۔ چنہ اور ایدرین۔ موئی۔ ان کے اسکول کا نام ہے: ایکٹن ہائی اسکول لندن۔

ان بچّوں نے جو راکٹ اُڑایا وہ خود بنایا تھا۔ راکٹ میں ایک کیمرا بھی نصب تھا۔ اس کیمرے نے اس علاقے کی بالائے سرخ تصویریں لیں۔ بالائے سرخ، روشنی کی ایک خاص قسم کو کہتے ہیں۔ یہ عام روشنی سے مختلف ہوتی ہے۔ راکٹ اُڑانے والے بچّوں میں سے ایک مگدا الینا، اے۔ لیول کی طالبہ ہیں۔ اُن کے پاس ریاضی، طبیعیات اور کیمیا کے مضامین ہیں۔ مگدا الینا سے جب پوچھا گیا کہ آپ لوگوں نے راکٹ اڑانے کی خواہش کرکے کیا بہت بڑی خواہش نہیں کی، تو انھوں نے جواب دیا "ساری دنیا بڑی بڑی خواہشیں کر رہی ہے۔"

نیم کے فائدے امریکا نے دریافت کر لیے

امریکا میں نیم کے درخت پر نئی تحقیق ہوئی ہے۔ اس تحقیق کے مطابق اس درخت میں بے شمار فائدے اور خوبیاں ہیں۔ تحقیق کرنے والوں کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے خاص طور پر مشرقی ممالک کے لیے بنایا ہے۔ اس کے ذریعہ سے اناج کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے، فصلوں کو کیڑوں سے بچایا جا سکتا ہے، یہ ایک اچھی کھاد ہے، اس میں مویشیوں اور مرغیوں کے لیے پروٹین

غذائیت موجود ہے، خون کو صاف کرنے کے لیے دوائی صفات ہیں، آنکھوں، جلد، گُردے اور مثانے کی بیماریوں کے لیے مفید ہے، مچھروں سے محفوظ رکھتا ہے، زرعی مقاصد کے لیے اُن کیڑوں کو مارتا ہے جو مٹّی میں ہوتے ہیں، پودوں پر جو طفیلیے ڈیرا ڈال لیتے ہیں اُن کا خاتمہ کرتا ہے، اس سے فرنیچر بن سکتا ہے، صابن، کاسمیٹک اور ٹوتھ پیسٹ بن سکتے ہیں۔

نیم کے درخت کا نباتی نام ایزاڈائریکٹا۔انڈیکا (AZADIARACHATA-INDICA) ہے۔ برِصغیر میں عام ہے اور سڑکوں کے کنارے اس کے تقریباً دو کروڑ درخت لگے ہوئے ہیں اور ٹھنڈی چھاؤں دے رہے ہیں۔ نباتی خاندان "مہاگنی" کا یہ رکن سدا بہار ہے یعنی ہر موسم میں ہرا بھرا رہتا ہے۔ پاکستان اور بھارت کے علاوہ یہ امریکی ریاست فلوریڈا اور وسطی امریکا میں بھی موجود ہے۔

نئی تحقیق کرنے والوں نے کہا ہے کہ برِصغیر کی زراعت اور طب دونوں میں یہ درخت صدیوں سے کام آرہا ہے۔ اس کے باوجود حکومتوں اور سائنس دانوں نے اسے نظر انداز کیا ہے۔ اب اس میں دل چسپی کا آغاز اس بات پر ہوا کہ کیڑے مار دواؤں کے بجائے قدرتی طریقوں سے فصلوں کی حفاظت کرنی چاہیے۔ اسی سلسلے میں کوشش کرتے ہوئے امریکی سائنس دانوں پر انکشاف ہوا کہ نیم کا درخت نقصان دہ کیڑوں کے خلاف کیمیائی ہتھیار ہے۔

۱۹۶۰ء میں سائنس دانوں نے رپورٹ دی تھی کہ نیم کے پتّوں کا رس نکال کر اس کا چھڑکاؤ فصل پر کیا گیا تو ٹڈیوں (LOCUSTUS) سے فصل محفوظ رہی۔

نیم کے بیجوں کو پیس کر "نیم کیک" بنایا جاتا ہے۔ یہ کیک پھل دار درختوں اور سبزیوں کے لیے اچھی کھاد ہے۔ اسے روایتی کھاد کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جاتا ہے تو پیداوار میں نمایاں اضافہ ہو جاتا ہے۔

ایک آدمی نے دوسرے سے حیرت سے کہا کہ تمھارا بیٹا اتنا امیر ہے اور تم پھٹے پُرانے کپڑے پہنتے ہو۔

دوسرے آدمی نے جواب دیا، "یہ کیا بات ہوئی۔ تمھارا بیٹا بھی تو دندان ساز ہے، لیکن تمھارے منھ میں ایک بھی دانت نہیں۔"

مرسلہ: حبیب الرحمٰن ہاشمی، پشاور

ایک کھلا خط

بزرگوں کے نام

محترمی جناب!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،

امید ہے کہ مزاج بہ خیر ہوں گے۔ یہاں خیریت نہیں ہے، اسی لیے آپ سے رجوع کیا ہے۔ دیگر احوال یہ ہے کہ میرے بھائیوں کو آج کل ایک خوف ناک مرض لاحق ہو گیا ہے۔ آپ اس بیماری کے لیے کوئی طریقہ ایجاد کریں۔ نئی دوا دریافت کریں یا کوئی نیا خیال پیش کریں۔ مجھے ان تمام باتوں سے کوئی غرض نہیں ہے۔ صرف اس بات سے غرض ہے کہ میرے بھائی اس "متعدی مرض" سے نجات پا جائیں۔

دراصل قصہ یہ ہے کہ میرے بھائیوں کے کان میں صبح سے شام تک نہایت شدّت کے ساتھ درد ہوتا ہے۔ وہ کبھی ایک کان پر اور کبھی دوسرے کان پر ہاتھ رکھے رہتے ہیں۔ اس دوران میں کبھی کبھی آرام بھی ملتا ہے، مگر زبان میں خارش شروع ہو جاتی ہے اور اس خارش کو دُور کرنے کے لیے بغیر رُکے بولے چلے جاتے ہیں۔ انھیں نہ کھانے کا خیال ہے نہ پینے کا۔

اس خوف ناک مرض کے بارے میں ایک بات اور یاد آئی۔ وہ بات یہ ہے کہ کان پکڑے رہنے کے دوران کبھی کبھی وہ بُری طرح اُچھل پڑتے ہیں۔ کبھی ان کے چہرے پر خوشی کے آثار ہوتے ہیں، کبھی غم اور دُکھ کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی گنگ ہو جاتے ہیں۔ میں تو بڑا پریشان ہوں۔ یہ بیماری صرف میرے بھائیوں کو نہیں پورے پاکستان کو لاحق ہے۔ دراصل یہ ایک خوف ناک دبا ہے جسے ماہرین نے "کرکٹیریا" کا نام دیا ہوا ہے۔ میرے بھائیوں کو اکثر یہ بیماری بھی ہے کہ وہ ٹیلے وژن کی طرف پلک جھپکائے بغیر متواتر کئی گھنٹے تک دیکھتے رہتے ہیں۔ اس سے ان کی آنکھیں بھی متاثر ہو گئی ہیں۔ اگر کوئی دُور سے آ رہا ہو گا تو کہہ اُٹھیں گے، "ارے سلیم یوسف! یہاں کیا کر رہا ہے؟" اسی طرح گھر میں بھی یہی عالم ہے۔ اگر ہم ذرا کام سُست کرتے ہیں، یا اٹھنے میں، چلنے میں کسی قسم

کی سستی کرتے ہیں تو ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ تم بھی رمیز راجا کی طرح ہو گئے ہو۔ اگر ہم کام نہ کرنے کا عذر پیش کرتے ہیں تو ہمیں..... کا..... کا خطاب مل جاتا ہے۔

جناب عالی،

میں اور میرے گھر والے بڑے تنگ آگئے ہیں۔ پڑوسی تو خاص طور پر بہت پریشان ہیں۔ بڑے بھیا روزانہ رات کو خواب میں کرکٹ کھیلتے ہیں اور شاید بولنگ بھی کرتے ہیں، کیوں کہ ان کی اپیلیں بڑی زور دار ہوتی ہیں۔ جب ان کی اپیلیں ہم نے انھیں ریکارڈ کر کے سنائیں تو انھوں نے ماننے سے انکار کر دیا اور ہمیں انگلینڈ کے ایمپائر کا خطاب دیا۔ ان کی اس طرح کی حرکتوں کی وجہ سے ہم بھی انھیں مائیک گیٹنگ کہنے لگے ہیں۔

ایک دفعہ ایک کام سے میں ایک صاحب کے پاس گیا۔ وہ صاحب مسلسل چھت کو گھور رہے تھے۔ میں ان کے اس طرح مسلسل گھورنے پر گھبرا گیا۔ پھر ان کی عمر دیکھ کر احترام اور آہستگی سے پکارا "حضرت! آداب عرض ہے!" جواب ندارد۔ مگر پھر میں چونک گیا، کیوں کہ وہ بڑی زور سے اُچھلے تھے اور ہتھیلی پر ہتھیلی مار رہے تھے۔ میں مزید گھبرا گیا۔ اندر بھاگا، مگر اللہ کا شکر ہے کہ انھوں نے مجھے دیکھ لیا۔ میں نے بھی دیکھ لیا کہ انھوں نے آلۂ سماعت لگایا ہوا ہے۔ وجہ سمجھ میں آگئی کہ جواب کیوں نہیں ملا۔ لٰہذا زور سے آواز دی تو بولے "آل آؤٹ ۳۱۶ رن۔" ہم نے اپنا سر پکڑ لیا۔ پھر کہا "حضرت آپ سے کام تھا۔" جواب ملا "اعجاز اچھا کھیلا۔" میں نے اپنا سر پیٹ لیا تو وہ بولے، "ہاں! میرا بھی دل یہی چاہ رہا ہے کہ پاکستان کی بیٹنگ پر اپنا سر پیٹ لوں۔" اب تو میری حالت دیکھنے کے قابل تھی۔ میں بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ صاحب سمجھے کہ میں صدمے سے پاگل ہو گیا ہوں۔

جی ہاں! تو یہ حال احوال ہیں۔ دفاتر ہوں، اسکول ہوں یا کوئی اور جگہ۔ سب جگہ یہی حال ہے۔ اسکولوں میں تو باقاعدہ ٹیلے وژن رکھے جاتے ہیں۔ دفتروں میں محمود اور ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

میں اس علاج کے بارے میں شدت سے آپ کی رائے کا منتظر ہوں۔ شکریہ

والسلام

قادر خاں، کراچی

کِھل کِھلائیے

ڈاکٹر: (نوکر سے) جلدی سے کسی ڈاکٹر کو بلاؤ۔ میرے سر میں سخت درد ہو رہا ہے۔

نوکر: مگر آپ تو خود ڈاکٹر ہیں۔

ڈاکٹر: مجھے نہ بُلانا، میری فیس بہت زیادہ ہے۔

مرسلہ: عمران سلیمان، کراچی

باپ: بیٹا روزانہ کہیں جانے سے انسان کی عزت گھٹتی ہے۔

بیٹا: ٹھیک ہے، پھر میں کل سے اسکول نہیں جاؤں گا۔ مرسلہ: ضیاءالحق

ایک کنجوس بحری جہاز میں نیویارک کی بندرگاہ پہنچا تو ایک غوطہ خور پر نظر پڑی جو پانی سے نکل رہا تھا۔ کنجوس نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا:

"میں بھی کتنا بے وقوف ہوں! یہ خیال پہلے کیوں نہ آیا۔ خواہ مخواہ کرائے کے پیسے ضائع کیے۔"

مرسلہ: سائرہ پرویز، کراچی

وکیل: (ڈاکٹر سے) آپ کی ذرا سی غلطی آدمی کو زمین میں چھے فیٹ اندر دفن کر سکتی ہے۔

ڈاکٹر: (وکیل سے) اور آپ کی ذرا سی غلطی اسے زمین سے چھے فیٹ اوپر لٹکا سکتی ہے۔

مرسلہ: محمد عامر اور محمد فرقان غازی، ٹنڈو محمد خان

● مسافر: (کنڈیکٹر کا کندھا پکڑ کر) کیا یہ شاہراہ فیصل ہے؟

کنڈیکٹر: نہیں، یہ میرا کندھا ہے۔

مرسلہ: محمد فرقان، غازی پورہ

● مریض ڈاکٹر کے پاس پہنچا اور کراہتا ہوا بولا: "ڈاکٹر صاحب! کل سے دانت میں شدید درد ہے۔"

ڈاکٹر: ذرا منھ تو کھولیے تاکہ میں معائنہ کر سکوں۔

مریض نے بے تحاشا منھ کھول دیا۔

ڈاکٹر: زیادہ منھ نہ کھولیے۔ میں باہر کھڑے ہو کر ہی معائنہ کرتا ہوں۔ مرسلہ: محمد آصف، کراچی

● "تم سے بڑا جھوٹا میں نے آج تک نہیں دیکھا۔" مقدمے کی کارروائی کے دوران ایک وکیل نے دوسرے وکیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"تم سے زیادہ فریبی اور مکار روے زمین پر نہیں ہو گا۔" دوسرے وکیل نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"آرڈر! آرڈر! آپ لوگوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میں بھی یہاں پر موجود ہوں۔"

جج نے ان دونوں کو خاموش کراتے ہوئے کہا۔

مرسلہ: رابعہ کمال، کراچی

● ایک آدمی نے فائر اسٹیشن فون کیا اور بولا "دیکھیے میں نے حال ہی میں اپنا باغ سنوارا ہے۔ میں نے اس میں بیش قیمت پودے لگائے ہیں۔"

"کیا اس میں آگ لگ گئی ہے؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"کچھ پودے تو بالکل ہی نایاب ہیں۔ میں نے انھیں بڑی مشکل سے حاصل کیا ہے۔"

دوسری طرف سے بڑی غصّے بھری آواز آئی، "دیکھیے جناب! یہ فائر اسٹیشن ہے گُل فروشی کی دُکان نہیں۔"

"معلوم ہے مجھے۔ ذرا غور سے میری بات سُنیے۔ میرے پڑوس میں آگ لگ گئی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ جب آپ لوگ آگ بُجھانے آئیں تو میرے باغ کو اور پودوں کو نقصان پہنچائیں۔"

مرسلہ: قدسیہ یاسمین، بھکّر

● ایک پارٹی میں ایک صوفے پر ایک موٹی سی عورت اور اس کے ساتھ ایک پتلا اور کالا سا آدمی بیٹھا تھا۔ اچانک عورت نے جمائی لی۔ ساتھ والے آدمی سے نہ رہا گیا وہ بولا، "مجھے نگل نہ لینا۔"

عورت نے فوراً کہا، "ہمارے مذہب میں کوّے کھانا حرام ہے۔"

مرسلہ: فیض رسول انجم، آہدی شریف

● شوہر (بیوی سے) بیگم! آج میرے دوست شام کو کھانے پر آرہے ہیں۔ تم جلدی سے یہ سامان گھڑی، جوتے، گُل دان اور چھتریاں وغیرہ چُھپادو۔

بیوی: کیوں؟ کیا آپ کے دوست چور ہیں؟

شوہر: نہیں، یہ بات نہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہیں وہ لوگ اپنی چیزیں نہ پہچان لیں۔

مرسلہ: سید محمد سجاد سہیل

● فقیر: باباجی! کیا آپ کے پاس کسی بھوکے کے لیے کھانا ہوگا؟

بابا: ہے تو سہی، مگر وہ بھوکا ابھی دفتر سے نہیں آیا۔

مرسلہ: محمد بلال عبدالرحمٰن کھتری، کراچی

● ایک دیہاتی اپنے مکان کی چھت پر چڑھا۔ اتفاق سے ایک کوّا بھی چھت پر آبیٹھا۔ دیہاتی جلدی سے نیچے اُترا اور سیڑھی ہٹا کر بولا:

"میں تو سیڑھی سے اُتر آیا، اب تم کیسے اُترو گے؟"

مرسلہ: اللہ دتہ، سیتانہ بنگلہ فیصل آباد

● ماں: (بیٹے سے) بیٹا، جھوٹ بولنا بُری عادت ہے۔ اس سے گناہ ہوتا ہے۔

بیٹا: اچھا تو امّی مجھے یہ بتائیں کہ بسکٹوں کا ڈبّا جو آپ کل بازار سے لائی تھیں وہ آپ نے کہاں رکھا ہے؟

مرسلہ: سعدیہ فاطمہ، لاہور

صحت مند نونہال

مبشر علی زیدی، کراچی

محمد جبین عبدالستار، کراچی

ایاز سرور، کراچی

ندیم احمد، کراچی

علی محمد، لیاری

محمد کامران، کراچی

سید طارق حسین، کراچی

رفعت جبیں، کراچی

محمد سرور انور

محمد کامران، سکرنڈ

محمد ارشاد غنی، کراچی

بابر علی، ڈرگ کالونی

فیاض احمد

محمد اقبال، کراچی

ایک نوعمر خوش نویس

آج آپ ایک ایسے خوش نویس سے ملیے، جس نے نوعمری میں بڑا کام کیا ہے۔ ۱۶ سالہ فضل الرحمٰن کو ۱۳ سال کی عمر میں خوش خط لکھنے کا شوق ہوا۔

شوق انسان کو عمل اور محنت پر اُبھارتا ہے۔ فضل الرحمٰن نے کسی کو استاد بنائے بغیر اچھے اچھے خوش نویسوں کی لکھائی کو سامنے رکھ کر مشق شروع کی اور بہت جلد خود بھی خوش نویس بن گئے۔ اب ان کے شوق نے نیا اور مبارک رُخ اختیار کیا۔ انھوں نے اللہ کے کلام کی کتابت شروع کر دی۔ یکم رمضان ۱۴۰۸ ہجری کو لکھنا شروع کر کے ۹ مہینے ۵ دن میں پورا قرآن شریف لکھ ڈالا۔ ان کا خط کیسا ہے؟ اس صفحے پر نمونہ دیکھ کر اس کا خود اندازہ کر لیجیے۔

فضل الرحمٰن مشہور و معروف جلد ساز شیخ محبوب قریشی کے پوتے ہیں۔ ان کے والد عبدالرحمٰن قریشی بھی بہت اچھے جلد ساز ہیں۔

فضل الرحمٰن ۵۔ اکتوبر ۱۹۷۲ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ مگر آٹھویں جماعت تک تعلیم سعودی عرب میں حاصل کی، پھر کراچی آگئے۔ انھوں نے قرآن حکیم کی کتابت میں یہ خیال بھی رکھا ہے کہ ہر صفحہ نئی آیت سے شروع ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو بڑی صلاحیتیں دی ہیں۔ جو لوگ اپنی صلاحیتوں سے کام لیتے ہیں اور محنت کرتے ہیں وہ بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے ہیں۔ آپ بھی اپنی صلاحیتوں کو کام میں لائیے۔

آج کا نونہال - کل کا دانشور

اسے تیار کیجیے کہ فکر و شعور کا اُجالا کر سکے

قوموں کو جہالت کے اندھیروں سے نکالنے کے لیے اس کے دانش ور اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ آپ کا یہ ننھا منا بچہ وطنِ عزیز کے روشن مستقبل کا امین ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اس میں ایک بڑی شخصیت پوشیدہ ہے... ہو سکتا ہے کل یہ ایک دانشور کی حیثیت سے ملک و ملت کے لیے مشعل راہ بنے۔

اس کی صلاحیتوں کو ابھارنے اور شخصیت کو نکھارنے کی ذمہ داری آپ پر ہے۔ اس ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے پورا کیجیے۔ اپنے بچے کی پرورش نہایت محنت، محبت اور توجہ سے کیجیے تاکہ کل یہ ایک مضبوط و توانا جسم، بہتر تعلیم اور صحت مند ذہن کے ساتھ وطنِ عزیز میں فکر و شعور کا اجالا کر سکے۔

نونہال ہربل گرائپ واٹر بچوں کی تکالیف مثلاً بدہضمی، قبض، اپھارہ، اسہال، قے، بے خوابی، پیاس کی شدّت وغیرہ کے لیے مفید و مؤثر دوا ہے۔ دانت آنے کے زمانے میں اس کا استعمال ضروری ہے۔

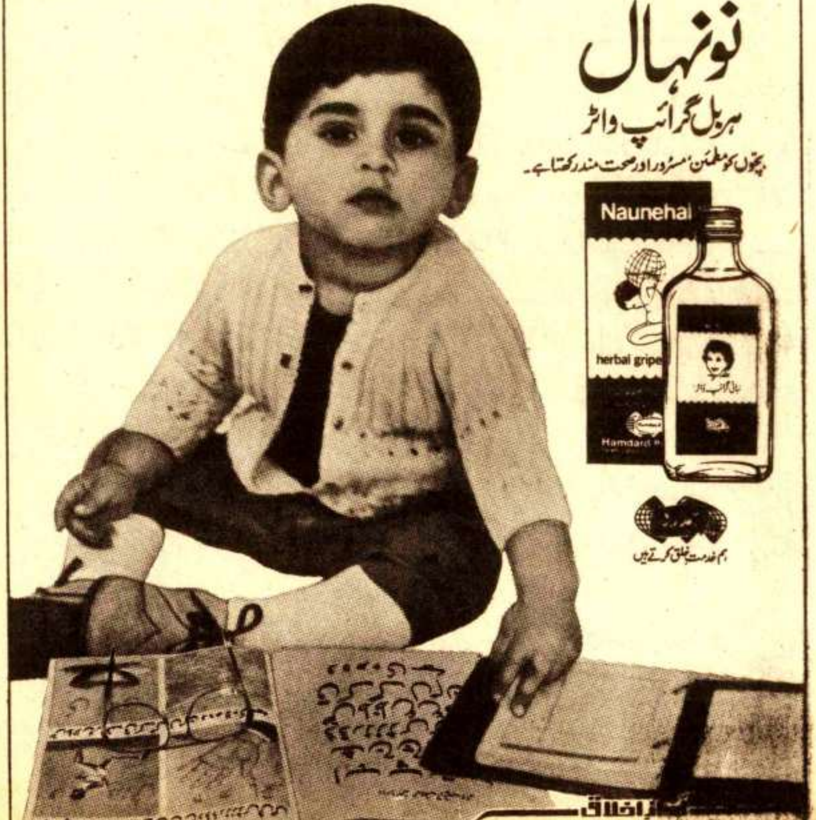

Adarts 2/84

نونہال ادیب

حمد

پسند : سید عبدالوہاب، کوئٹہ

اے دنیا کی شان کے مالک
جسم کے مالک جان کے مالک
دنیا بھر جُھا جاننے والے
بگڑی بات بنانے والے
پھولوں کو رنگینی بخشی
خوش بُو بھینی بھینی بخشی
تُو نے دیے افلاک کو تارے
دور سے جو کرتے ہیں اشارے
ٹھنڈی ہوائیں تُو نے بھیجیں
تجھ سے ساری نعمتیں پائیں

نعت

پسند: محمد عارف انجم، حیدرآباد

ہزار حمد ہے اُس والیِ جہاں کے لیے
ہے نعتِ پاک شہنشاہِ مرسلاں کے لیے
حبیبِ پاکؐ کی عظمت کے منکرو سُن لو
کسے پکارو گے محشر میں تم اماں کے لیے
نبیؐ کے نام سے ہوتی ہیں مشکلیں آساں
یہ اک وظیفہ ہے مجبور و بے کساں کے لیے
یہ سب طفیل شہنشاہِ دو جہاں کا ہے
گلوں کے ہار ہیں ہر ایک نعت خواں کے لیے
یہ دل تو کیا ہے کہ قربان جان و ایماں ہیں
ہے زندگی میری سرکارِ دو جہاں کے لیے
بُلا لو روشنِ خستہ کو شہِ والا
تڑپ رہا ہے جو مدت سے آستاں کے لیے
شاعر: جناب روشن ضیائی

بہار کا موسم

پسند: سید علی رضا عابدی، حیدرآباد

پھولوں کا پھر موسم آیا
رنگ برنگے تحفے لایا
پیلے پیلے لال گلابی
نیلے نیلے اور نارنجی

پھولوں کا پھر موسم آیا
پھول کھلے ہیں گلشن گلشن
نازک نازک روشن روشن
پھولوں کا پھر موسم آیا
خوش بُو پھیلی دُنیا مہکی
کوئل باغ میں کیسی چہکی
پھولوں کا پھر موسم آیا
آؤ ہم بھی دھوم مچائیں
ناچیں گائیں جشن منائیں
پھولوں کا پھر موسم آیا
پھولوں کا پھر جشن منایا

استاد

پسند: فیصل عزیز، کراچی

ذہنوں کو چمکانے والا
محنت پر اُکسانے والا
نیک و بَد سمجھانے والا
دانش مند بنانے والا
شمعِ علم جلاتا ہے وہ
سیدھی راہ دکھاتا ہے وہ
فکر و نظر کا داتا ہے وہ
سب بچّوں کو بھاتا ہے وہ
رہبر ہے وہ نیک چلن کا
مخلص خادم قوم و وطن کا

کراچی

پسند: شاہینہ حسن، کراچی

روشنیوں کا شہر کراچی
انسانوں کی لہر کراچی
نیٹی جیٹی اور کیماڑی
سوکھی ندی، خشک پہاڑی
اورنگی بھی کورنگی بھی
لانڈھی اور چورنگی بھی
لالو کھیت اور چورنگی بھی
دن کو روشن رات کو روشن
گلیاں، کوچے، سڑکیں، آنگن
دوڑ رہے ہیں بھاگ رہے ہیں
بچّے، بوڑھے جاگ رہے ہیں

صحّت نعمت ہے

پسند: فخر عالم، لانڈھی

صحّت ہی زندگی ہے
صحّت سے ہر خوشی ہے
صحّت خدا کی رحمت
سب سے عظیم نعمت
صحّت کے بَل پہ قائم
انساں کی زندگی ہے
سر چشمۂ مسرت
ہر فرد کی ضرورت

صحّت کے دَم سے یارو
ہر شے میں دل کشی ہے
تحریکِ عزم و ہمّت
عِلم و کمال و نُصرت
صحّت خراب ہو تو
بے کار آدمی ہے

تتلی

پسند: نور جہاں احمد

اُڑتی اُڑتی آئی تتلی
سب کے دل کو بھائی تتلی
پھولوں کی شہزادی ہے یہ
خوشبوں کی آبادی ہے یہ
اس کی صورت بھولی بھالی
اس کی رنگت پیاری پیاری
قوس و قزح کا جیسے ٹکڑا
شمس و قمر کا جیسے مُکھڑا
سارے جہاں میں اس کی شہرت
میرے مولا کی ہے قدرت

میری کتاب

پسند: شہناز بانو، کراچی

تُو اے کتاب مجھ کو نہایت عزیز ہے
بچپن میں تُو نے مجھ کو سکھائی تمیز ہے
سچ سچ بتا دے کون سی بستی سے آئی ہے
کیا اتنا علم، عِلم کے دریا سے لائی ہے
قسمت نے جب تجھے میرے ہاتھوں پہ دھر دیا
اِک نور تھا کہ جس سے میرا سینہ بھر دیا
احسان جب کسی کا بُھلانا نہیں روا
تیرا بھی نقش دِل سے مِٹانا نہیں بجا
پٹّی بندھی ہے آنکھوں پہ میری تُو کھول دے
جو علم تیرے پاس ہے سب مجھ کو تول دے
احمد حسین خاں کا مجھے قول یاد ہے
نفرت جسے کتاب سے ہے نامُراد ہے
شاعر: احمد حسین خاں

رمضان کا مہینہ

پسند: آفتاب یاسر، کراچی

رحمت کی اِک گھٹا ہے رمضان کا مہینہ
جنّت کا راستہ ہے رمضان کا مہینہ
اِک نور جان و دل میں روزہ اُتارتا ہے
برکات کی فضا ہے رمضان کا مہینہ
ہر سو بفیضِ ربّی موتی بکھر رہے ہیں
رحمت کا سلسلہ ہے رمضان کا مہینہ
کیسے کروں بیاں میں دل کی عجب ہے حالت
کتنا یہ خوش نُما ہے رمضان کا مہینہ
ہر چہرہ ہو گیا ہے گُل رنگ و ماہ پیکر
یزداں کا تذکرہ ہے رمضان کا مہینہ

تلوارِ مومن کی پکار

آصف علی رانا، کراچی

میں آج سے کئی سو سال پہلے اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اس دنیا سے ناپاکی اور کفر کا خاتمہ کرنے کے لیے بلند ہوئی۔ میں ہمیشہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کے مطابق چلائی جاتی تھی۔ مجھ پر ہمیشہ قرآن کا سایہ رہتا تھا۔ میں جہاں بھی گئی جس نامُراد پر پڑی اس کو "حق حق" کی پُکار کا یقین دلاتی گئی۔ میں اُن نادانوں پر استعمال ہوتی تھی جنھیں اپنی طاقت کا غرور ہوتا تھا۔ میں ہمیشہ ایک بہادر، سچے، صاحبِ کردار، ایمان دار، عہد پورا کرنے والے، نیک، عبادت گزار اور حُبِّ وطن مومن کی کمر پر بندھی رہتی تھی جس کی وجہ سے مجھ میں ایک ایسا سُرور پیدا ہوتا کہ میں اپنے وجود پر بے اختیار ناز کر اٹھتی تھی۔

مگر آج میری حالت کیا ہے۔ میں آج ایک مومن کے پاس نہیں بلکہ صرف نام کے مسلمان کے پاس ایک بے کار چیز کی طرح پڑی ہوں۔ مجھ پر زنگ لگ چکا ہے۔ میں ہر صبح کے طلوع ہونے والے سورج کی اُبھرتی ہوئی کرنوں میں اپنے مومن کو تلاش کرتی ہوں۔ کہاں ہے وہ مومن جو صرف اللہ اور رسولؐ کے حکم کے مطابق چلتا تھا؟ کہاں ہے وہ مومن جس کے دِل میں جہاد کا جذبہ موجیں مارتا رہتا تھا؟ کہاں ہے وہ مومن جس کی عظمت ہمت و جرات کی دنیا قائل تھی؟

آج کے یہ نام کے مسلمان دوسرے کے ہاتھوں بِک چکے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے اپنا ایمان، جذبۂ جہاد، ہمت، حوصلہ، جرأت و شجاعت، بہادری غرض ہر خوبی گروی رکھ چکے ہیں۔ اب اُن ہاتھوں میں وہ طاقت کہاں جو مجھے اُٹھا سکیں۔ اب اُن کی آنکھیں سونے اور چاندی کی چمک سے خیرہ ہو چکی ہیں۔ اب اُن میں ایمان کی چمک کہاں؟ بے دین لوگ پھر سے سر بلند ہو رہے ہیں۔ میں جب یہ سُنتی ہوں کہ مسلمان مسلمان کو مار رہا ہے تو غصّے کی شدت سے میرے اندر کا لوہا پگھلنے لگتا ہے۔ مسلمان کا خون سرد ہو چکا ہے۔ اب صرف وہ اپنی زبان، رسم و رواج اور علاقائی تعصبات پر اپنے ہی بھائی کا خون کرنا جانتے ہیں۔ یہ مسلمان بھول چکے ہیں کہ شہید کبھی نہیں مرتا۔ مگر تم تو پتھر کے بن چکے ہو۔ تمھارے دماغ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ سنبھلو، بچو کہ وقت بہت بے رحم ہے۔ مجھے اُٹھاؤ اور اسلام کی راہ میں جہاد کرو۔ میں تو کب سے تمھاری راہ دیکھ رہی ہوں۔ تم مجھے کبھی غدار یا بدعہد نہ پاؤ گے۔ میں خود ختم ہو جاؤں گی مگر اسلام کے جوانوں کو، اسلام کے پرچم کو، اسلام کی سرزمین کو ناپاک عزائم سے بچاؤں گی۔

میری التجا ہے، بڑھو میری طرف۔ جہاد پر لبیک کا نعرہ بلند کرو۔ میدانِ جنگ میں پھر تم میری پُھرتی اور کاٹ دیکھنا۔ بس تم اپنی روایات کو زندہ کر لو۔ اسلام کو زندہ کر لو۔

علاّمہ اقبال

ساجد احمد خاں، کراچی

علاّمہ اقبال زمانہ حاضر کے ایک بڑے شاعر اور فلسفی تھے۔ آپ نے اسلامی دنیا کو اتحاد کی دعوت دی اور نسل و رنگ کے خلاف آواز بلند کی۔ علامہ اقبال کے بزرگ سوا دو سو سال پہلے کشمیری پنڈت تھے۔ ایک بزرگ نے اسلام قبول کیا اور سیال کوٹ میں آباد ہو گئے۔ ان کے والد شیخ نور محمد بڑے پرہیز گار انسان تھے اور ٹوپیاں سی کر گزر بسر کرتے تھے۔ ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء کو سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ اسکول کی تعلیم کے بعد ایف۔ اے مشن کالج سیال کوٹ سے اور بی اے اور ایم اے گورنمنٹ کالج لاہور سے کیا۔ سیال کوٹ میں ایک بزرگ مولوی سید میر حسن رہتے تھے۔ ان سے اقبال نے فارسی، عربی اور اسلامیات کی تعلیم حاصل کی۔ شعر گوئی کا شوق شروع سے تھا۔ انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسوں میں اُن کی نظمیں شوق سے سُنی جاتی تھیں

۱۹۰۵ء میں یورپ گئے۔ پی ایچ ڈی اور بیرسٹری پاس کر کے تین سال بعد واپس آئے اور لاہور میں وکالت شروع کر دی۔ ۱۹۱۴ء میں انھوں نے فلسفۂ خودی پیش کیا۔ پھر اسرارِ خودی اور رموزِ بے خودی دو مثنویاں لکھیں۔ ان کی شاعری کا شہرہ ہندُستان کے باہر دوسرے ملکوں میں بھی ہو گیا۔ بعد میں انھوں نے "پیامِ مشرق" "زبورِ عجم"، "بانگِ درا" "بالِ جبریل" "جاوید نامہ" اور نظموں کے تین اور مجموعے شائع کیے۔ فلسفۂ اسلامی کے متعلق انگریزی میں لیکچر دیے جو اہلِ علم میں بے حد مقبول ہوئے۔

۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ الہ آباد میں انھوں نے جو خطبہ پڑھا اس میں تجویز کیا کہ ہندُستان میں مسلمانوں کی آزاد حکومت ہونی چاہیے جس کے تحت مسلم اکثریت کے علاقے آزادانہ زندگی بسر کر سکیں۔ یہ گویا پاکستان کے قیام کا پہلا مطالبہ تھا جس نے مسلمانوں کے سامنے ایک معیّن نصب العین رکھ دیا اور اور انھوں نے یہ نصب العین قائدِ اعظم محمد علی جناح کی سیاسی قابلیت سے حاصل کر کے اپنا ایک علاحدہ ملک قائم کر لیا۔

علامہ اقبال قوم کے تمام طبقوں میں ہر دل عزیز تھے۔ کالجوں کے پروفیسر، طلبہ، صحافی، اہلِ سیاست اور عوام سب اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اُن کے خیالات سے فائدہ اُٹھاتے۔ خود نہایت درویش طبع اور سادہ مزاج آدمی تھے۔ کھانے پینے اور رہنے سہنے میں کسی تکلّف کے روادار نہ تھے۔

۱۹۳۳ء میں بیمار ہو گئے۔ نواب حمید اللہ خاں والیِ بھوپال نے پانچ سو رُپے ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ اب تک آل انڈیا مسلم لیگ کے سلسلے میں کچھ سیاسی کام بھی کر لیا کرتے تھے، لیکن بیماری کے بعد یہ کام بھی رُک گیا۔

۲۱۔ اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال کا انتقال ہو گیا۔

مدینۃ الحکمت کی سیر

شازیہ نور، کراچی

مدینۃ الحکمت ۱۷ ہزار ایکڑ کی وسیع و عریض جگہ پر پھیلا ہوا ہے۔ یہاں ۱۴ ہزار درخت لگوائے گئے ہیں۔ یہ مدرسہ یقیناً بے شمار طالب علموں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرے گا۔

جب میں اپنی طالب علم ساتھیوں کے ساتھ اسکول کی بس سے اُتری تو وسیع و عریض علاقے کی سرسبزی اور تعمیر ہوتے والی خوب صورت عمارت کو دیکھ کر حیران رہ گئی کہ یا اللہ یہ کس کی تخلیق ہے۔ سب سے پہلے ارشاد بھائی نے جو شاید وہاں کے انچارج تھے، اپنا تعارف کروایا اور اس کے بعد سب چیزیں دکھائیں۔

اس جگہ کی سب سے زیادہ قابلِ تعریف چیز جو مجھے بہت زیادہ پسند آئی وہاں کی لائبریری تھی۔ وہاں بیش بہا علم اپنے قدر دانوں کا منتظر ہے۔ وہاں پر ہمیں ہمدرد کے مستقبل کے منصوبوں کے بارے میں بھی بتایا گیا۔ مجھے بہت خوشی ہوئی کہ جناب حکیم محمد سعید صاحب کے خیالات کتنے بلند ہیں۔ ان کے منصوبے کتنے عظیم ہیں۔ آپ پورے ملک کے ہمدرد ہیں۔ اس کے بعد ہم مدینۃ الحکمت کے باغ میں گئے۔ یہاں بے شمار درخت اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔ بہت حسین منظر تھا۔ یہیں پر ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ اس کے بعد تھوڑی دیر آرام کیا اور پھر بہت سے کھیل کھیلے۔

یہ جناب حکیم محمد سعید صاحب ہی کی ہمت ہے کہ اس ویرانے میں آپ نے اتنے مشکل کام کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ ہمارا وہاں پہنچنے پر جس طرح استقبال کیا گیا اور جتنی پذیرائی کی گئی تھی میں اس کو بیان نہیں کرسکتی۔ مدینۃ الحکمت ایک نہایت پُرسکون جگہ ہے۔ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

ارسطو

ملک تصور محمود، پہاڑے

❁ عظیم یونانی فلسفی ارسطو ۳۸۴ ق م میں پیدا ہوا تھا۔

❁ ارسطو نے اپنی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ اُسے علوم فطری کے بارے میں وسیع معلومات اس کے باپ نے فراہم کی تھیں۔

❁ ارسطو کا باپ تعلیم یافتہ اور بارسوخ ہونے کے علاوہ عظیم فاتح سکندرِ اعظم کے دادا کا شاہی طبیب بھی تھا۔

❁ حصولِ علم کے لیے ارسطو علم و دانش کے مرکز ایتھنز بھی گیا۔

❁ ارسطو کا استاد اس دَور کا مفکرِ اعظم افلاطون تھا۔ ارسطو سکندرِ اعظم کا استاد تھا۔ ارسطو نے سائنسی تحقیقاتی گروہ کو منظّم کیا تھا جس نے یونان اور ایشیا کے طول و عرض میں گھوم پھر کر بحری و برّی حیات کے نمونے اکٹّھے کر کے ارسطو کو ان انکشافات کی اطلاع دی تھی۔ وہ گروہ تقریباً ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا۔

- ارسطو نے سب سے پہلے جانوروں کی چیر پھاڑ کر کے اُن کی اندرونی ساخت میں بعض اختلافات کا انکشاف کیا تھا۔
- ارسطو کے نظریے کے مطابق کائنات پانچ عناصر سے مل کر بنی ہے۔
- ارسطو نے خود کتابیں خرید کر ایک کتب خانہ بنایا تھا۔
- ارسطو بیس سال تک افلاطون کا شاگرد رہا۔
- ارسطو نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ بندر انسان اور چوپایوں کے درمیانی درجے میں سے ہے۔

ایک حکمراں کا انصاف

سعدیہ صدیقی

آپ نے سلطان محمود غزنوی کا نام تو سنا ہی ہو گا۔ وہ ایک دین دار، نیک اور عادل مسلمان حکم راں تھا۔ اس کے عدل اور انصاف کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔ ان میں ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک دن وہ اپنے دربار میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی روتا اور فریاد کرتا ہوا اس کے پاس آیا۔ سلطان نے اس سے پوچھا، "تم کیوں پریشان ہو؟"

اس نے جواب دیا کہ ایک غنڈا اکثر میرے گھر میں گھس آتا ہے، چیزیں توڑتا پھوڑتا ہے اور عورتوں کی بے عزتی کرتا ہے۔ اسی لیے میں سلطان کی خدمت میں فریاد کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ سلطان نے جواب دیا کہ تم مطمئن رہو۔ میں تمھاری اس پریشانی کو دُور کروں گا مگر تم اتنا کرنا کہ آئندہ جب وہ غنڈا تمھارے گھر میں آئے تو اُسی وقت تم مجھے خبر کر دینا۔

تین دن بعد وہ غنڈا اُس شخص کے گھر میں گھسا تو اسی وقت بے چارہ فریادی گھبرایا ہوا سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، "سلطان عالی مقام، اس وقت وہ غنڈا میرے گھر میں گھسا ہوا ہے اور توڑ پھوڑ کر رہا ہے۔"

سلطان نے اسی وقت تلوار ہاتھ میں لی اور اُس فریادی کے ساتھ چل پڑا۔ جب وہ اُس کے مکان کے دروازے پر پہنچا تو خود وہیں رُک گیا اور اُس شخص سے کہا کہ فوراً چراغ گُل کر دو۔ اس آدمی نے چراغ گُل کر دیا۔ غنڈے کو جب معلوم ہوا کہ سلطان آگیا ہے تو وہ فوراً وہاں سے بھاگا اور دروازے سے باہر نکلنا چاہا، لیکن جیسے ہی سلطان کے پاس آیا، سلطان نے تلوار کا ایک ہاتھ اُس کی گردن پر مارا، جس سے وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

جب سلطان کو اس کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو اُس نے فریادی سے کہا کہ چراغ روشن کر دو۔ فریادی نے چراغ روشن کر دیا۔ سلطان نے روشنی میں اس غنڈے کی صورت دیکھی اور اطمینان کا سانس لیا۔ پھر اس نے فریادی سے جا نماز منگوائی اور اسی وقت دو رکعت نماز ادا کی۔

نماز سے فارغ ہو کر فریادی سے کہا کہ جو کچھ

تمھارے گھر میں کھانا موجود ہو وہ لے آؤ۔ فریادی بے چارہ غریب آدمی تھا جو کچھ اس کے ہاں موجود تھا وہ لاکر سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ سلطان نے کھانا کھا کر پانی پیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد وہ جانے کے لیے اُٹھا تو فریادی نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ جانے سے پہلے سلطانِ عالی مقام مہربانی کرکے میرے چند سوالوں کا جواب دیں۔ سلطان نے کہا، "اپنے سوال پیش کرو۔"

فریادی نے کہا کہ پہلا سوال تو یہ ہے کہ جب آپ میرے گھر کے دروازے پر پہنچے تو آپ نے مجھے چراغ گُل کرنے کا حکم کیوں دیا اور پھر آپ نے اس غنڈے کا خاتمہ کیا تو پھر چراغ کیوں روشن کرایا اور غنڈے کی صورت دیکھنے کے بعد بے وقت نماز کیوں پڑھی اور سب سے آخر میں یہ کہ آپ نے مجھ سے غریب کے ہاں کا معمولی سا کھانا کیوں خود منگوا کر کھایا؟

سلطان نے جواب دیا کہ جب تم پہلے پہل فریاد لے کر میرے پاس پہنچے تھے تو مجھے فوراً یہ خیال ہوا تھا کہ ایسی حرکت میرا کوئی رشتے دار یا دوست ہی کر سکتا ہے۔ اس لیے جب میں تمھارے دروازے پر پہنچا تو میں نے چراغ اس لیے گُل کروایا تھا کہ اگر وہ غنڈا میرا کوئی رشتے دار یا دوست ہوا تو ہو سکتا ہے کہ روشنی میں میرا ہاتھ اس کو قتل کرنے کے لیے نہ اُٹھ سکے۔ پھر جب اُسے قتل کر دیا تو میں نے یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ شخص کون ہے، چراغ روشن کرایا اور روشنی میں اس کا چہرہ دیکھا اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ میرا کوئی رشتے دار یا دوست نہیں ہے تو میں نے دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ کا شکر ادا کیا۔ تمھارے ہاں میں نے کھانا اس لیے کھایا کہ میں تین دن سے بھوکا تھا۔ جب تم نے میرے دربار میں پہنچ کر فریاد کی تھی تو میں نے اُسی وقت یہ عہد کر لیا تھا کہ جب تک اس غنڈے کو سزا نہیں دے دوں گا اس وقت تک کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔ چناں چہ جب میں اپنے فرض کو ادا کر چکا تو میں نے تم سے کھانا منگوا کر کھایا۔

وہ شخص سلطان کے یہ جوابات سُن کر حیران رہ گیا اور سلطان کے عدل اور انصاف کی تعریف کرنے لگا۔

قومی زبان

قدسیہ یاسمین، بھکّر

زبان اظہارِ خیال کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعہ سے ہم اپنے خیالات اور احساسات دوسرے لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں۔ ہر ملک کی ایک زبان ہوتی ہے جسے قومی زبان کا نام دیا جاتا ہے۔ قومی زبان کے ذریعہ سے قوم کا ہر فرد اپنی آواز ساری قوم تک پہنچا سکتا ہے۔

ہمارے پیارے وطن پاکستان کی قومی زبان اردو ہے۔ اردو ترکی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے "لشکر"۔ قیامِ پاکستان کے وقت قائدِ اعظم نے صاف لفظوں میں

کہہ دیا تھا کہ پاکستان کی قومی زبان اردو ہوگی۔ لیکن آج کل اردو سے زیادہ انگریزی پر زور دیا جا رہا ہے۔ ہر شخص اپنی خوب صورت اور میٹھی زبان میں انگریزی کی ملاوٹ کر رہا ہے۔ جتنی روانی سے ہمارے ملک کے افراد انگریزی بولتے ہیں کاش اسی روانی سے اردو بھی بول سکتے! بچّہ بولنے کے قابل ہوتا ہے کہ اسے انگریزی کے چھوٹے چھوٹے الفاظ سکھانے شروع کر دیے جاتے ہیں۔ ٹھیک ہے انسان جتنی زبانیں سیکھ سکتا ہے سیکھے، لیکن اپنے پیارے وطن میں اپنی پیاری زبان ہی استعمال کرے اور وہ بھی بغیر کسی ملاوٹ کے۔ اس لیے کہ اس کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔ دشمن سب سے پہلے زبان پر ہاتھ ڈالتا ہے اور اسے مٹانے یا کم زور کرنے کی کوشش کرتا ہے اور آج ہمارے ملک میں بھی حال ہے۔ انگریزی سب انسانوں کی جڑوں تک پہنچ چکی ہے اور جب تک وہ اپنی زبان میں اس کا استعمال نہیں کرتے اردو بول ہی نہیں سکتے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم جہاں جائیں اپنی اس خوب صورت زبان کو استعمال کریں اور اسے بولنے میں کوئی شرم محسوس نہ کریں، کیوں کہ یہ ہماری میراث ہے جسے ہمارے بزرگوں نے بہت محنت و مشقّت سے ہم تک پہنچایا ہے۔

اس کی حفاظت اب ہمارا فرض ہے۔ آئیے ساتھیو! آج سے عہد کریں کہ ہم اپنی اس خوب صورت زبان میں کوئی ملاوٹ نہیں کریں گے۔

ہمدرد نونہال، اپریل ۱۹۸۹ء

نوبیل

ریحانہ رشید، کراچی

الفریڈ برنارڈ نوبیل سوئڈن کے دارالحکومت اسٹاک ہوم میں پیدا ہوا۔ اس کے والد ایک سائنس داں تھے۔ نوبیل بھی سائنس میں بہت دل چسپی لیتا تھا۔ اس نے سینٹ پیٹرسن برگ سے تعلیم حاصل کی جس کا موجودہ نام لینن گراد ہے۔ وہ سولہ سال کی عمر میں ایک ماہر کیمیاداں بن گیا۔ اس نے شادی نہیں کی تھی۔ اس نے کئی چیزیں ایجاد کیں، مگر اس کی سب سے اہم ایجاد ڈائنامائیٹ تھی۔ ڈائنامائیٹ کنوئیں اور سُرنگیں بنانے میں کام آتا ہے۔

نوبیل امن پسند تھا۔ وہ اس خیال سے نفرت کرتا تھا کہ اس کی ایجاد کی ہوئی چیز جنگ میں استعمال ہو۔ جب وہ دیکھتا کہ اس کی ایجاد سے لوگ مر رہے ہیں اور بڑے پیمانے پر تباہی پھیل رہی ہے تو وہ اُداس ہو جاتا تھا۔ ڈائنامائیٹ ایک بم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

وہ انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، روسی اور سوئیڈن کی زبانیں آسانی سے بول پڑھ اور لکھ سکتا تھا۔ اس نے چند نظمیں بھی انگریزی میں لکھی تھیں جو اُس کی موت کے بعد شائع ہوئیں۔ وہ ایک سائنس داں ہی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ایسے شخص کی حیثیت سے بھی پہچانا جاتا ہے جو انسانیت سے بہت زیادہ محبت

کرتا تھا۔ جب وہ مرا تو اس کی جائداد نو ملین امریکی ڈالر تھی۔ اس رقم سے ایک ادارہ قائم ہوا جو اُن لوگوں کو نوبیل انعام دیتا ہے جو کیمیا، ادویہ، طبیعیات اور ادب کے میدانوں میں امن کی خاطر کام کرتے ہیں۔

نوبیل انعام پاکستان کے سائنس داں ڈاکٹر عبدالسلام کو بھی دیا جا چکا ہے۔ اب تک سب سے زیادہ نوبیل انعام امریکا نے حاصل کیے ہیں۔ نوبیل انعام جیتنے والا نہ صرف امیر ہوتا ہے بلکہ اس کے ملک کا نام بھی اس کی وجہ سے اونچا ہوتا ہے۔ نوبیل انعام قومیت، نسل، مذہب اور رنگ سے ہٹ کر دیا جاتا ہے۔ حال ہی میں اسلامی ملک مصر کے ادیب نجیب محفوظ کو نوبیل انعام دیا گیا ہے۔ عالمی امن قائم رکھنے کے سلسلے میں ریڈ کراس (ہلالِ احمر) کو بھی کئی دفعہ نوبیل انعام دیا جا چکا ہے۔ جس آدمی یا ادارے کو نوبیل انعام دیا جاتا ہے، اس کی زندگی کے حالات دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں شائع ہوتے ہیں۔

شرارتی مانو

افشین نثار، کراچی

نہ جانے کہاں سے ہمارے گھر میں ایک لنگڑی بلّی آ گئی۔ اسے دیکھتے ہی میری ہمدردی کی رگ پھڑکی اور میں نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ میں اس بلّی کو پالوں گی۔ بس پھر کیا تھا ہر وقت امی کے آگے پیچھے۔ ذرا بھی امی کو کوئی کام پڑتا تو میں فوراً آگے آ جاتی۔

آخر ایک دن امّی نے مجھے بُلایا اور پوچھا "آج کل تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ پہلے تو میری اتنی خدمت نہیں ہوتی تھی مگر اب اتنی خدمت کیوں ہو رہی ہے؟" میں نے ذرا ہچکچاتے ہوئے امی سے کہا کہ ہمارے گھر میں ایک لنگڑی بلّی آ گئی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اس کا علاج کروں۔ میں اسے پالنا چاہتی ہوں۔ امی نے مجھے فوراً اجازت دے دی۔ میں خوشی خوشی باہر گئی اور میں نے بلّی کو اُٹھا لیا۔ سب سے پہلے میں نے بلّی کو نہلایا اور اُس کے بعد اپنے بھائی کی بڑی خوشامد کرنے کے بعد ان کے ساتھ جانوروں کے ہسپتال گئی۔ ایک ہفتہ علاج کرنے کے بعد بلّی بالکل ٹھیک ہو گئی۔ وہ مجھ سے اس قدر مانوس ہو گئی کہ جہاں میں جاتی وہ میرے پیچھے پیچھے چلی جاتی۔ ایک دن میرے ابّو کے دوست امریکا سے آئے تو میرے لیے چاکلیٹ اور ٹافیوں کا ایک پیکٹ لائے۔ جب امی نے میری چاکلیٹ کھانے کی رفتار دیکھی تو امّی نے ٹافیوں کا پیکٹ مجھ سے لے کر میری پہنچ سے بہت دُور یعنی الماری کے اوپر رکھ دیا۔ اب ہمیں ایک دن میں صرف ایک ٹافی ملتی تھی۔ ایک دن امّی کسی پارٹی میں گئیں۔ میں سر کے درد کا بہانہ بنا کر گھر میں رُک گئی۔

امی کے جانے کے بعد جب میں نے ٹافیوں کا ڈبّا ڈھونڈا تو معلوم ہوا کہ ہماری بلّی "مانو" الماری کے اوپر پڑا ہوا ٹافیوں کا پیکٹ کھولے اُس میں سے

ایک ٹافی نکال کر اُسے کھولنے کی کوشش کر رہی ہے۔ پہلے تو مانو مجھے دیکھ کر بھاگنے لگی۔ میں نے اُسے اشارے سے روک دیا۔ پھر اُس نے ٹافیوں کا پورا پیکٹ میری طرف پیچھے پھینک دیا۔ میں نے پیکٹ اُٹھایا اور اس میں سے تین ٹافیاں اپنے لیے اور دو مانو کے لیے نکالیں۔

اگلے دن جب امی مجھے ٹافی دینے لگیں تو انھیں شک ہوا کہ ٹافیاں کچھ کم ہیں، مگر پھر وہ خاموش ہو گئیں۔ دوسرے دن مانو نظر ہی نہیں آئی۔ بہت تلاش کیا مگر پتا نہ چلا۔ شام کو میں جو گھر سے باہر نکلی تو کیا دیکھتی ہوں کہ مانو ایک کونے میں پڑی ہے۔ اس کے آس پاس گندگی تھی۔ پہلے تو مجھے یقین ہی نہیں آیا کہ یہ میری مانو ہے، لیکن جب وہ آکر میرے پاؤں پر لوٹنے لگی تو میں سمجھ گئی کہ یہ میری ہی مانو ہے۔ میں نے مانو کو نہلایا مگر مانو کا بُرا حال تھا۔ آخر میں نے ابّو کو بتایا تو ابّو نے امی سے کہا، "لو بھئی، تمھاری ٹافیوں کا چور پکڑا گیا۔ میں نے اُن ٹافیوں کو اُٹھا کر دوسری دست آور ٹافیاں رکھ دی تھیں۔ تمھاری مانو نے یہ ٹافیاں کھائیں اور اس کا ہاضمہ خراب ہو گیا۔" اب ابّو کو کون بتاتا کہ اس دن چوری کی ٹافیاں کھانے کے بعد کئی روز تک ہمارا بھی ہاضمہ خراب رہا تھا۔

ابوالفضل

محمد سلیم جان مروت، بنوں سٹی

جلال الدین اکبر بادشاہ کے دربار میں بڑے بڑے ماہرِ فن تھے، لیکن ابوالفضل کی اِنشا پردازی کی کوئی مثال نہ تھی۔ اکبر اپنے اس وزیر سے بہت محبّت کرتا تھا۔ ابوالفضل اُس زمانے کے ایک مشہور عالم و معلم شیخ مبارک ناگوری کا بیٹا تھا۔ اس نے اپنے بھائی فیضی کے ساتھ اپنے باپ کے تمام حریفوں کو شکست دے کر دربار تک رسائی حاصل کی اور دونوں نے بہت جلد اکبر کو اپنا ہمدرد بنالیا۔ ابوالفضل فارسی زبان کا ممتاز اِنشا پرداز اور عہدِ اکبری کا سب سے بڑا مورّخ تھا۔ اکبر نامہ اسی زمانے کا ایک شاہ کار ہے۔ اس سے مورخین کو اکبر کے دور کی تاریخ صحیح صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس کتاب کا تیسرا حصّہ آئینِ اکبری ہے جس میں ابوالفضل نے اکبر کی سلطنت کے آئین، اس کے مذہب اور ملک کے نظم و نسق کا پورا پورا حال لکھا۔

ابوالفضل کے مکتوبات کا مجموعہ تین حصّوں میں آج بھی مشرقی زبانوں کے امتحانات میں نصاب کا مقام رکھتا ہے۔ چوں کہ دربار اور تمام معاملات میں ابوالفضل کو بڑا دخل تھا اور اکبر کو اس کی دانائی اور خیر خواہی پر بڑا اعتماد تھا، اس لیے اکبر کا ولی عہد جہانگیر اُسے زیادہ پسند نہیں کرتا تھا۔ ابوالفضل ۱۰۱۱ ہجری = ۱۶۰۲ عیسوی میں دکن سے واپسی پر ایک بندیلے کے ہاتھوں مارا گیا۔

بھیّا

مرزا سہیل بیگ، کراچی

عمران بھیّا بہت اچھے ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں

کہ وہ مجھ سے بہت زیادہ پیار کرتے ہیں یا مجھے دام پہلے دیتے ہیں، بلکہ اس لیے کہ وہ میرے بھائی ہیں۔
جب اماں جان مجھے کسی کام سے باہر بھیجتی ہیں تو عمران بھائی بھی ضد کرنے لگتے ہیں کہ وہ بھی میرے ساتھ دُکان جائیں گے، مگر میں بھیّا کو باہر کسی صورت میں نہیں لے جانا چاہتی، کیوں کہ میرے دماغ میں بردہ فروشوں کا خوف سوار رہتا ہے۔
بردہ فروش لڑکوں کو بے ہوش کر کے بوری میں ڈال لیتے ہیں۔ پھر میرے پیارے بھیّا کی سانس اتنی نازک ہے کہ وہ کہیں بوری میں گھُٹ نہ جائے۔ مگر میرے بھیّا اتنے ضدّی ہیں کہ وہ میری چُٹیا پکڑ لیتے ہیں اور مجھے نیچے گرا دیتے ہیں۔ میں خود بھی اس لیے گر جاتی ہوں کہ ننھّے بھیّا کو گراتے میں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو، ہائے! میں نے بات شروع تو کر دی مگر اپنا اور بھیّا کا تعارف نہیں کروایا۔ میرے بھائی کی عمر ۵ سال ہے۔ میرا نام مصباح ہے اور میری عمر ۸ سال ہے۔
اچھا تو آگے سُنیے۔ میں جب بھی نونہال یا کوئی اور کتاب پڑھنے بیٹھتی ہوں تو بھیّا اس پر پنسل لے کر کیڑے مکوڑے بنا دیتے ہیں۔ میں سوچتی ہوں کہ بھیّا کو اپنا شوق پورا کر لینے دوں، بعد میں ربر سے مٹا لوں گی۔ میں بھیّا کا دل نہیں توڑنا چاہتی، اس لیے کہ میں بھیّا سے بہت پیار کرتی ہوں۔ بھیّا نے بڑے ہو کر میرا اسی طرح خیال رکھنا شروع کر دیا جیسے انھوں نے مجھ سے کوئی قرض لیا ہوا تھا اور اب لوٹانے کی کوشش کر رہے ہوں یا شاید میں خود ہی ایسا سمجھتی ہوں۔ اسی غلط فہمی نے مجھے خود بھی بچپن والے بھیّا کی طرح کر دیا ہے۔ وہ مجھے ہاتھوں سے دودھ پلاتے ہیں تو میں غصّے سے منھ پھیر لیتی ہوں۔ مگر جیسے وہ آخر کار مان جاتے تھے میں دلاسے سے مان جاتی ہوں۔ ڈرتی ہوں کہ میرے بھیّا کا دِل نہ ٹوٹ جائے۔
میں تو اب بھی سوچتی ہوں کہ میں نے بھیّا سے اب بھی برتری حاصل کر رکھی ہے، کیوں کہ میں کسی صورت میں بھی بھیّا کا دل توڑنا نہیں چاہتی۔

تکلیف

وسیم مظہر، ٹکال

ایک بادشاہ ایک عجمی غلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوا۔ غلام نے کبھی دریا نہیں دیکھا اور نہ کشتی کے سفر کی تکلیف اٹھائی تھی۔ اس نے آہ وزاری شروع کر دی۔ اس کے جسم میں لرزہ طاری ہو گیا۔ اس سے بادشاہ کا مزہ خراب ہو گیا۔
اس کشتی میں ایک عقل مند بھی تھا۔ بادشاہ سے بولا: "اگر حکم دیں تو میں اسے کسی طریقے سے خاموش کر دوں۔"
بادشاہ نے کہا: "بہت عنایت ہو گی۔"
اس عقل مند نے لوگوں کو حکم دیا کہ غلام کو دریا میں دھکا دے دو۔ چناں چہ اس کو اُٹھا کر دریا میں پھینک دیا گیا۔ غلام نے چند غوطے کھائے پھر اس کے

بعد لوگوں نے اس کے سَر کے بال پکڑ لیے اور کشتی کے سامنے لے آئے اور وہ دونوں ہاتھوں سے کشتی کے پچھلے حصّے کو پکڑ کر لٹک گیا۔ جب دریا سے نکلا تو ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ اس کی طبیعت صاف ہو گئی تھی۔ بادشاہ کو تعجب ہوا۔ اس نے پوچھا، "اس میں کیا حکمت تھی؟"

عقل مند نے کہا کہ اس غلام نے اس سے پہلے غرق ہونے کی تکلیف نہیں دیکھی تھی اور کشتی کی سلامتی کی قدر نہیں جانی تھی۔ آرام کی قدر وہی جانتا ہے جو کسی مصیبت میں گرفتار ہوا ہو۔

بغیر محنت کے روٹی

نام: نامعلوم

ایک بزرگ "الٰہی عافیت، الٰہی عافیت" بڑی کثرت سے کہا کرتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے تو انھوں نے فرمایا:

ایک دفعہ میں نے گندم کی بوری اُٹھائی تو تھک گیا۔ میرے منھ سے یہ دُعا نکلی، "الٰہی مجھے بغیر کسی محنت کے روٹی دے۔"

میں آگے چلا تو دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا۔ میں ان کو چھڑانے کے لیے آگے بڑھا۔ اتنے میں کچھ سپاہی اُدھر سے گزرے۔ ان کو لڑتے دیکھ کر وہ مجھے بھی لڑائی میں شریک سمجھ کر پکڑ کر لے گئے اور قید خانے میں ڈال دیا۔ جیل میں مجھے ہر روز دو روٹیاں ملنے لگیں۔

ایک دن رات کو میں نے سُنا۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ تم نے بغیر محنت کے دو روٹیاں مانگی تھیں، وہ تمھیں مل رہی ہیں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے تو عافیت ملتی۔ میں نے اسی وقت کہا، "الٰہی عافیت، الٰہی عافیت۔" صبح آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ مجھے بے گناہ قرار دے کر رہا کر دیا گیا۔

اس دن کے بعد سے میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دُعا مانگتا ہوں۔

نوجوان

اسماء شفیق، کراچی

نوجوان ملک و قوم کا بیش بہا سرمایہ ہوتے ہیں۔ ملک و قوم کی تعمیر و ترقی کا انحصار انھی پر ہوتا ہے۔ یہ طبقہ قوم کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ ملک و قوم کی ترقی کا دارومدار اس کے قدرتی وسائل پر ہی نہیں، بلکہ قوم کے باصلاحیت نوجوانوں پر بھی ہوتا ہے۔

جوانی ہی وہ عمر ہے جب انسان کام کرنے کی بھرپور صلاحیتیں اور ہمّت رکھتا ہے۔ جب انسان میں ولولہ، جوش و ہمّت ہو تبھی وہ قوم و ملک کے لیے کچھ کر سکتا ہے۔ بچپن ناسمجھی اور نادانی کا زمانہ ہے اور بڑھاپا ناتوانی کا۔ اصل عمر جوانی ہے۔ نوجوان ہی ملک و قوم کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

اگر نوجوان اعلا اوصاف و کردار کے مالک ہوں گے

تو ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو گا۔ نوجوان اگر فرض شناسی کے جذبے اور اپنے حقوق و فرائض سے آگاہ ہو جائیں تو کام یابی ہی کام یابی ہو گی۔

ورزش

وقاص احمد نجمی، فیصل آباد

کہتے ہیں کہ صحت مند جسم میں ہی صحت مند دماغ ہوتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ صحت مند جسم کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ جو چاق و چوبند ہو اور زندگی کے تمام کاموں کی بجا آوری کے لیے موزوں ہو۔ پُرانے زمانے میں سبھی لوگ محنت و مشقّت کرتے تھے اس لیے انھیں ورزشی کھیلوں کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ پرانے لوگ بہت صحت مند اور چاق و چوبند ہوتے تھے۔ اُن کی عمریں بھی لمبی ہوا کرتی تھیں اور انھیں زیادہ بیماریاں بھی نہیں لگتی تھیں۔

اس کے برعکس آج کل کے مشینی دور میں ہمیں بہت کم محنت کرنی پڑتی ہے، کیوں کہ ہر مشکل اور محنت طلب کام کو کرنے کے لیے مشینیں موجود ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم سُست اور کاہل بن گئے ہیں جو نہ صرف ہماری صحت بلکہ ہمارے علم کے لیے بھی بہت نقصان دہ ہے۔

سست اور کاہل لوگ زندگی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ان سب باتوں سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ ورزش ہمارے لیے کس قدر ضروری ہے۔ ہمارے ملک میں لوگوں کی اکثریت ورزش کی اہمیت سے تو آگاہ ہے مگر افسوس کہ وہ ورزش نہیں کرتے۔ ورزش کے لیے سب سے بہتر وقت صبح کا ہوتا ہے۔ صبح سویرے بیدار ہو کر نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر کسی بھی نزدیکی کُھلی جگہ مثلاً پارک وغیرہ میں چلے جائیں۔ دوڑ لگائیں یا اور کوئی ورزشی کھیل کھیلیں۔ ہاکی، فٹ بال یا ٹینس کھیلیں۔ گرمیوں کے موسم میں تیراکی کریں۔ ورزش کرنے سے کافی پسینا آجاتا ہے جس سے ہمارے جسم کے مسام کُھل جاتے ہیں۔ ورزش باقاعدگی سے کریں۔ آپ جلد ہی اپنے اندر ایک نیا جوش اور جذبہ محسوس کریں گے جو آپ کی پوری زندگی اور خصوصاً تعلیم کے سلسلے میں معاون ثابت ہوں گے۔

البانیہ

نازیہ نسیم، بہاول پور

عوامی جمہوریہ البانیہ یورپ کا ایک مسلمان ملک ہے۔ یہ ساحل بلقان کا جزیرہ نما ہے۔ اس کا کُل رقبہ گیارہ ہزار ایک سو مربع میل ہے۔ اس کے مشرق میں یوگوسلاویہ، مغرب میں مالٹا، شمال میں اٹلی اور جنوب میں یونان واقع ہے۔

البانیہ جنگلات اور پھولوں کی سرزمین ہے۔ اسے دریاؤں نے مشرق و مغرب سے کاٹ رکھا ہے۔

ترانہ البانیہ کا صدر مقام ہے۔ کورشا، شکودر، سکوتاری، درازو، ولون اور ایسان اس کے مشہور شہر ہیں۔ بندرگاہوں میں ڈیورز اور ولون اہم ہیں۔ ملک کو انتظامی سہولت کی خاطر ۲۶ ضلعوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کی ۲۳ لاکھ آبادی میں سے ۷۳ فی صد مسلمان ہیں۔ ۷۵ فی صد لوگ تعلیم یافتہ ہیں۔ قومی زبان البانوی ہے۔

یہاں کی ۶۲ فی صد آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے اور کھیتی باڑی کرتی ہے۔ مشہور فصلوں میں گندم، گنّا، کپاس، مکئی، زیتون کا تیل، تمباکو، پھل اور لکڑی ہیں۔ اس کے علاوہ بھیڑ بکریوں سے اون بھی حاصل ہوتی ہے۔ صنعتوں میں کپڑا سازی، کھاد سازی، بجلی کے سامان خصوصاً تاروں کی صنعت اور فرنیچر سازی سر فہرست ہے۔ معدنیات میں کوئلا، کرومیم، تانبا، لوہا، تیل اور تارکول اہم ہیں۔ زیادہ تر تجارت چین اور مشرقی یورپ سے ہوتی ہے۔

البانیہ کسی زمانے میں رومیوں، سلاویکیوں اور ترکوں کے زیرِ حکومت رہا۔ ۱۹۱۲ء میں خلافت سے علاحدہ ہوا اور ۱۹۲۰ء میں یہاں باقاعدہ حکومت قائم ہوئی۔ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۹ء تک خود ساختہ بادشاہ ژوگ کے ماتحت رہا۔ ۱۴ دسمبر ۱۹۵۵ء کو اقوام متحدہ کا رکن بنا۔

اخلاق

وقار احمد تربیلوی، لالہ خیل

اسلامی تعلیمات کے لیے بنیاد وہ مجموعۂ کلام اور ضابطۂ حیات ہے جو بنی نوع انساں کی ہدایت کے لیے حضرت محمدؐ پر نازل ہوا۔ اس مجموعہ کلام کے دو جُز ہیں۔ ایک ایمان دوسرا عمل۔ ایمان کا تعلق دل و دماغ سے ہے جب کہ عمل کی بنیاد ایمان پر ہے۔ عمل کے تین اہم حصّے ہیں: عبادات، معاملات اور اخلاق۔

اخلاق اسلامی معاشرے کا ایک اہم وصف ہے اور اسلام میں اس کی اس قدر اہمیت ہے کہ اس کا اندازہ حضور پاکؐ کے اس فرمان سے لگایا جاسکتا ہے: "اخلاق گویا اسلام کا دوسرا نام ہے۔" آداب کا اخلاق سے گہرا تعلق ہے۔ آداب انسان کو تربیت دیتے ہیں کہ وہ اپنے مقام کو پہچانے۔ اس میں حد قائم رکھے اور اس حد کو پامال نہ کرے۔

اخلاق سے آراستہ قوم ترقی کی سیڑھیاں تیزی سے طے کرتی ہے اور آسمان کی بلندیوں پر اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کے برعکس اخلاق سے عاری قوم بجائے عروج کے زوال کی طرف چلی جاتی ہے۔ وہ قوم بجائے انسان کے گروہ کے کسی جنگل کے بھانت بھانت کے جانوروں کا ایک ریوڑ نظر آتی ہے۔

اخلاق کسی قوم کی ظاہری ہیئت کو قائم کرتے ہیں۔ اخلاق کے لحاظ سے ملّتِ اسلامیہ ایک منفرد اور امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر وہ اپنے آداب و اطوار سے غافل ہوجائے تو اس شان سے محروم ہوجائے گی جو اس کا خاصہ رہی ہے۔ جو قوم اپنے اخلاق کو کھو دے اس سے قومیت ہی فنا ہوجاتی ہے۔

نئی کارمینا

نظامِ ہضم کی اصلاح کے لیے زیادہ پُرتاثیر

ہمدرد کی تجربہ گاہوں میں ایک مدت سے عالمی شہرت یافتہ کارمینا کو زیادہ موثر بنانے کے لیے تحقیق جاری تھی تاکہ اسے دورِ جدید کے انسان کی ضروریات سے ہم آہنگ رکھا جائے۔ نئی کارمینا اسی تحقیقی عمل کا ماحصل ہے۔ پودینے کے جوہر اور دیگر مفید اجزا کی شمولیت نے نئی کارمینا کو زیادہ قوی اور زود اثر بنا دیا ہے۔

نئی کارمینا نظامِ ہضم کو درست رکھنے میں اب پہلے سے زیادہ مُفید و معاون ہے۔ خرابیٔ ہضم کی شکایات مثلاً بدہضمی، قبض، گیس، دردِ شکم اور بھوک کی کمی وغیرہ کے لیے اس کی افادیت میں اضافہ ہوگیا ہے۔

دردِ شکم میں نئی کارمینا کی دو ٹکیاں نیم گرم پانی کے ساتھ استعمال کریں۔

بدہضمی، قے یا متلی کی شکایت میں نئی کارمینا کی دو ٹکیاں چُوسیں۔

نئی کارمینا کی دو سے چار ٹکیاں باقاعدگی کے ساتھ رات کو سوتے وقت نیم گرم پانی سے استعمال کی جائیں تو دائمی قبض سے نجات مل جاتی ہے۔

بُھوک کی کمی کی شکایت میں صبح ناشتے سے پہلے، دوپہر، اور رات کے کھانے سے قبل نئی کارمینا کی دو ٹکیاں چُوسیے۔

بچّوں کو حسبِ عمر آدھی یا ایک ٹکیہ نئی کارمینا دیجیے۔

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

خوش ذائقہ
نئی کارمینا
ہر گھر کی اہم ضرورت

تحقیق رُوحِ تخلیق ہے

Adarts-CAR-1/88

آدھی ملاقات

□ "میرے بچپن کے دن" کے عنوان سے مشہور ادیبوں یا شخصیات کے بچپن کے واقعات شائع کیے جائیں۔ وسیم عباس، سیال کوٹ

جب بھی مشہور ادیبوں یا شخصیات کے بچپن کے حالات ہمیں ملتے ہیں، ہم شائع کر دیتے ہیں۔

□ مجھے فروری کا شمارہ بہت ہی چٹ پٹا لگا۔

سید عرفان احمد زیدی، کورنگی

□ پاکستان کے مایہ ناز اولمپک باکسر سید حسین شاہ کی باتیں بہت اچھی تھیں۔ نصیر احمد قریشی، بھریا شہر

□ ہمیں نونہال بہت پسند ہے۔ محمد ذیشان، کراچی

□ نونہال ہمیشہ کی طرح ہنستا مسکراتا نظر آیا۔ سرورق کوئی خاص نہیں تھا۔ زمینی کیچوے اور ہوائی جہاز کی کہانی معلوماتی مضمون تھے۔ انجم احمد، کراچی

□ انکل! کوئی ترکیب بتائیں کہ میں اچھے نمبروں سے بورڈ کے امتحان میں پاس ہو جاؤں، مگر چپکے سے میری سہیلی نہ سُن لے۔ جبر اعبدالرزاق مینگریو، حیدر آباد

آپ چپکے چپکے خوب محنت کیجیے۔

□ فروری کا نونہال نکھرا نکھرا سا اگلا ہاتھوں میں آتے ہی مطالعہ شروع کر دیا۔ سرورق خوب صورت تھا۔ سرورق کی کہانی بہت پسند آئی۔ محمد امجد حسین انصاری، فیصل آباد

□ سام پر کیا گزری بہت پسند آئی۔ واقعی آپ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور ایک بہترین کہانی شروع کر دی ہے۔

بشریٰ، نواب شاہ

□ مجھے نونہال بہت پسند ہے۔ فدا محمد، اوبیہ

□ نظم "راشد منہاس" بہت ہی پسند آئی۔

شازیہ فردوس، کراچی

□ فروری کا رسالہ بہت اچھا تھا۔ خاص طور پر جاگو جگاؤ، سام پر کیا گزری، نجومی اور زبان کی قیمت۔

آغا نعمان علی، حیدر آباد

□ شیر کے دانتوں میں گوشت کہانی بہت پسند آئی۔

راجا راشد بشیر، کراچی

□ اسلامی مسائل کے لیے بھی ایک مضمون شروع کریں۔

اظہر علی کھوسو، حیدر آباد

□ حسین شاہ کی باتیں، عقل مند فقیر اور ففتی ففتی بہت ہی اچھی کہانیاں تھیں۔ منظور سلطان، کراچی

□ نونہال مجھے بہت پسند ہے۔ ارشد حسین بیدادی، ہزارہ

□ نونہال ادیب میں سید عبدالرحمٰن کی تحریر "فجا اینڈ سنز" روزنامہ جنگ کراچی کے مڈ ویک میگزین کا ٹکڑا ہے۔

ابن انوار حسین، کراچی

ایک سال تک ان کی تحریر ہم ہمدرد نونہال میں شائع نہیں کریں گے۔

□ ففتی ففتی بہت عمدہ کہانی تھی۔ غریب کا حوصلہ پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ راشد الیفت اور اورنگزیب، لاہور

□ امتحان میں فیل ہونے کے طریقے پڑھ کر بہت لطف آیا۔ محمد عرفان، دیپال پور

□ امتحان میں فیل ہونے کے طریقے رؤف پاریکھ طنز و مزاح سے بھرپور مضمون تھا۔ نظموں میں نجومی اور راشد منہاس اچھی لگیں۔ دھوپ میں سفید بال بھی اچھا مضمون تھا۔

بشریٰ، رضوانہ، ہنی اور حرا، کراچی

□ اپنی تحریر "سکون" دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ پہلے رسالے کو چوما اور پھر پڑھا۔ عائشہ شاہ جہان، لاڑکانہ

□ لطیفے اچھے نہیں تھے۔ فرخ منہاس، جڑانوالہ

□ سام پہ کیا گزری اور عقل مند فقیر بہت پسند آئیں۔

سمیر اصد یقی، گلبرگ

□ ٹائیٹل پر جناب مبشر صدیقی نے کافی محنت کی ہے۔ سرورق کی کہانی بھی اچھی لگی اور آخری کہانی شبیر کے دانتوں میں گوشت بھی اچھی تھی۔ عصمت حریم

□ سرورق ٹھیک نہیں ہے۔ ایم شبیر، ماموں کانجن

□ تمام کہانیاں معیاری اور دل چسپ تھیں۔ لطیفے مزے دار تھے۔ حسین شاہ کی باتیں بہت اچھی تھیں۔ انیلا ناز، کراچی

□ سرورق تو اس بار بہت ہی شان دار تھا۔

غلام حیدر بھنگر، بیر یو چاہل

□ بہترین سرورق بنانے پر مبشر صدیقی صاحب کا شکریہ۔ سرورق پر آپ کی تحریر کردہ کہانی ففٹی ففٹی اچھی لگی۔ غنی دہلوی کی نظم (نجومی) اور سید عبدالوہاب میاں کی (راشد منہاس) اچھی تھیں۔ دانہ دانہ میں (ذرا سوچیے) اور ابن انشا کا دانہ (امتحان یا معمہ) بھی اچھی تحریر تھی۔ عباس علی کھوکھر، کراچی

□ چوں کہ ہمدرد نونہال مجھے بہت پسند ہے اس لیے میں اپنے پاس ہونے کی آپ کو اطلاع دے رہا ہوں۔

عبداللطیف شاکر، بمبئی

> شاباش! آپ کو بہت بہت مبارک۔

□ نئے ناول 'سام پہ کیا گزری' کا پہلا ٹکڑا بہت پسند آیا۔ دوسری کہانیوں میں منزل، دادا، بادشاہ کا فیصلہ اور عقل مند تاجر اپنی مثال آپ تھیں۔ حامد علی شاہد، لاوہ

□ فروری کا نونہال دو دن میں چٹ کر گیا۔ سلسلے وار کہانی نے رسالے میں سسپنس پیدا کر دیا ہے۔

عمر خطاب خان، کراچی

□ اپنی پہچان (جمیلہ رانی) اور لطیفے اچھے تھے۔

ثناء اللہ خان پٹھان، منڑو

□ ہمدرد نونہال ایک خوب صورت پھول ہے جو اپنی خوب صورت باتوں کی خوش بو ہر طرف پھیلاتا ہے۔ نبیلہ مبشر منگی، خیرو ڈیرو

□ سرورق پر ریچھ کی تصویر کو دیکھ کر ایسا لگا کہ ابھی یہ کود کر ہمارے سامنے آجائے گا۔ صفحات کی تعداد ۱۲۸ تھی۔ کیا یہ تعداد مستقل رہے گی؟ ثناء اللہ، سلوٹ

> ہمدرد نونہال ۱۲۰ صفحات کا ہوتا ہے۔ فروری کے شمارے میں خصوصی کہانی شامل کرنے کی وجہ سے آٹھ صفحے بڑھائے گئے تھے۔

□ نئی سلسلے وار کہانی سام پہ کیا گزری بہت اچھی تھی۔ دوسری قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ شبانہ عندلیب، گوجرانوالہ

□ نظموں میں نجومی پسند آئی۔ حمیرا ارم، کراچی

□ میرا تو ضمیر یہ کہتا ہے کہ نونہال ایک گلاب کی مانند ہے۔ جب اس کی خوش بو لیتے ہیں تو دل کو سکون آجاتا ہے۔

نام، نامعلوم

□ فوزیہ تبسم اعوان کی کہانی 'منزل' اس بار نمبر لے گئی۔

فہد، راشد، شازیہ، ساجدہ، شاہد، راحنیہ، شاہدہ، ماجدہ، طلال، ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور

□ میں چاہتا ہوں کہ نونہال جس کاغذ پر چھپتا ہے اسی پر چھاپتے رہیے۔ برائے مہربانی اس کی قیمت میں کوئی اضافہ نہ کریں۔ اکثر نونہال ایسے ہیں جو اس کی آنی قیمت برداشت نہ کر پائیں گے، کیوں کہ وہ بے چارے محنت مزدوری کر کے نونہال خریدتے ہیں۔ شکیل احمد، کراچی

□ سرورق بہت پسند آیا۔ اس کے علاوہ 'ایک پُرعزم لڑکی کی کہانی' (میرزا ادیب) ففٹی ففٹی (مسعود احمد برکاتی) حسین شاہ کی باتیں، زبان کی قیمت اور عقل مند تاجر (صائمہ انیس) بھی پسند آئے۔ 'امتحان میں فیل ہونے کے طریقے' میں تو زبردستی ہنسانے کی کوشش کی گئی ہے۔ لطائف اور نظمیں تقریباً تمام ہی اچھی تھیں۔

رضا محمد قادری، چیچہ وطنی

□ جاگو جگاؤ بہت پسند آیا۔ کرم علی بلوچ، ٹنڈو آدم

□ نونہال پہلی دفعہ خریدا اور پڑھا۔ بہت پسند آیا۔

اکبر حسین بھٹی، ضلع وہاڑی

□ جاگو جگاؤ نے متاثر کیا۔ خرم یحییٰ خاں، لطیف آباد

□ تازہ نونہال رنگا رنگ تحریروں سے مزین تھا۔
شفیع اللہ خان، نصرت جبیل

□ سب سے زیادہ جو کہانی پسند آئی وہ ایک پُرعزم لڑکی کی کہانی (میرزا ادیب) تھی۔ رضوانہ آرائیں، مسرت آرائیں، صغرا عالم آرائیں، اسماء آرائیں، نصرت آرائیں، ڈگری سندھ

□ سرورق کی کہانی ففتی ففتی قابلِ تعریف تھی۔ "شیر کے دانتوں میں گوشت" بھی اچھی لگی۔ شاہد علی، حیدر آباد

□ فروری کا شمارہ بہت خوب صورت اور سبق آموز کہانیوں سے بھرا ہوا تھا۔ سرورق کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ لطیفے بھی معیاری تھے۔
عبدالرشید اچکزئی، چمن

□ سلسلہ طب کی روشنی میں بہترین چل رہا ہے۔
محمد اعجاز خاں بازئی، جام شورو

□ مجموعی طور پر پورا شمارہ بہت خوب صورت تخلیقات پر مبنی تھا۔ خصوصاً بزرگ ادیب "میرزا ادیب" صاحب کی کہانی بے حد پسند آئی۔ آپ آسمانِ ادب کے وہ سورج ہیں جن کی روشنی ہم نونہالوں کو منزل کا پتا دیتی ہے۔ سید مہدی علی، شہداد پور

□ مضامین نے بہت متاثر کیا۔ ساجد سلطان، کراچی

□ کہانیاں، معلومات اور دوسرے سلسلے بہت پسند آئے۔
فرزانہ میمن، رانی پور

□ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ گلناز مبشر

□ بادشاہ کا فیصلہ، ایک پُرعزم لڑکی کی کہانی اور ففتی ففتی اچھی کہانیاں تھیں۔ نئی کہانی سام پہ کیا گزری بہت پسند آئی۔ امتحان میں فیل ہونے کے طریقے پڑھ کر بہت لطف آیا۔ حسین شاہ کا انٹرویو بہت سبق آموز اور ایک محنت کرنے والے انسان کے حوصلے میں اضافہ کرنے والا تھا۔ تشنہ سحر انمول، کراچی

□ سام پہ کیا گزری اچھی سلسلے وار تحریر ہے۔ لطیفے کوئی خاص نہیں تھے۔ سرورق کی کہانی ففتی ففتی بے حد پسند آئی۔
نصرت شاہین، دیپالپور

□ شیر کے دانتوں میں گوشت خاص طور پر پسند آئی۔
عامر علی، کراچی

□ سرورق کی کہانی (ففتی ففتی) کے علاوہ زبان کی قیمت اور عقل مند فقیر بے مثال تھیں۔ سام پہ کیا گزری کا پہلا ٹکڑا اور امتحان میں فیل ہونے کے طریقے بھی بہت پسند آئے۔
خضر حیات شاکر اور محمد اسلم حیات، فردکہ

□ فروری کا شمارہ ہاتھ آیا تو چھوڑنے کو جی نہیں چاہا اور اتنا منہمک رہا کہ سونے کا بھی خیال نہ رہا۔ سرورق بہت اچھا تھا۔ ویسے پورا رسالہ ہی ادبی ذخائر سے بھرپور ہے۔
ابوالکلام، کراچی

□ میں آپ کا رسالہ بہت شوق سے پڑھتا ہوں اور پہلی بار خط لکھ رہا ہوں۔ نادر علی لنڈ، یارو لنڈ

□ مجھے نونہال بہت پسند ہے۔ رضیہ سلطانہ، منڈیکے

□ کوئی کہانی بور نہ تھی۔ "ہاں اپنی پہچان" (جمیلہ رانی) نقل شدہ تھی۔ جوریہ عزیز، کوئٹہ

□ نونہال حسبِ معمول سرورق سے لے کر آخر تک مفید اور دل چسپ تھا۔ ایم انور فراز، لیتی

□ ہمدرد نونہال صرف مجھے ہی نہیں بلکہ سب گھر والوں کو بے حد پسند ہے۔ عابدہ عبدالغفور

□ زبان کی قیمت (علی مرتضیٰ) اور نظم نجومی (غنی دہلوی) بہت پسند آئی۔ شہباز خان شیروانی، کیڈٹ کالج پٹارو

□ ہمدرد نونہال کی کیا تعریف کروں یہ تو معلومات کا سمندر ہے۔ سید موسیٰ رضا، کراچی

□ سرورق نہایت خوب صورت تھا۔
شاہین پروین، حیدرآباد

□ جاگو جگاؤ، حسین شاہ کی باتیں اور طب کی روشنی میں تو بے حد پسند آئے۔ راشد علی قائمی، جھڈو

□ نظم راشد منہاس بہت پسند آئی۔ اس نظم نے نونہال کو بہت خوب صورت بنا دیا۔ شگفتہ جعفری، حیدرآباد

□ فروری کا نونہال بے حد پسند آیا۔
زاہد احمد، میرپور خاص

□ نونہال اچھا تھا۔ تہمینہ نشاط، ریاض شیخ، کراچی

▫ اس دفعہ کا رسالہ بہت اچھا تھا اور اپنی پہچان، دادا، شیر کے دانتوں میں گوشت تبرے گئی۔ لطائف حسب معمول اچھے اور مزے دار تھے۔ صباحبٹی، بہاولپور

▫ فروری کا شمارہ بہت پسند آیا۔ منور، کلثوم، نازیہ، آسیہ شاد، شمیم، کوثر، رضوانہ، کراچی

▫ نونہال اپنے معیار کے اعتبار سے اچھا بنتا جارہا ہے۔ سام پہ کیا گزری کا سلسلہ بہت پسند آیا۔ رسالہ معیاری تھا۔
عابد انور، کراچی

▫ شروع کی چار کہانیاں بہت ہی پسند آئیں۔
محمد یوسف یونس راجپوت جھڈو

▫ لطیفے اور نونہال ادیب بہت پسند آئے۔
ماریہ زیدی، کراچی

▫ مار کر دکھانا پڑھ کر تو ہنسی آگئی۔ محمد ابراہیم انور علی اور شاہ نواز میرانی، گڈو بیراج

▫ مجھے حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ بہت پسند آیا۔ واقعی ہمیں فضول خرچی اور بخل سے پرہیز کرتے ہوئے درمیانی راستہ اختیار کرنا چاہیے اور اپنے ضرورت مند بہن بھائیوں کی مدد کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش اور جب اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہوگا تو ہماری دنیا اور آخرت دونوں سنور جائے گی۔
شازیہ عنایت، کراچی

▫ نونہال آتے ہی دل میں اُتر گیا۔ عبداللہ مسعود، شرجیل راحیل، محمد خالد نادر

▫ نظم راشد منہاس پسند آئی۔ اس دفعہ زبان کی قیمت، سام پہ کیا گزری اور ففٹی ففٹی تبرے گئی۔ بادشاہ کا فیصلہ، عقل مند فقیر، دادا، منزل بھی کچھ کم نہ تھیں۔ لطیفے گھسے پٹے تھے۔
ارشد حیات خان، کراچی

▫ آپ نے نونہال کی قیمت میں جس موثر با اضافہ کی تجویز پیش کی ہے۔ میں پوری شدّ و مد کے ساتھ اسے ویٹو کرتی ہوں۔ ہمارا پیارا جریدہ اپنے ہمعصر جرائد میں اس وقت سب سے ارزاں ہے۔ ہم لوگ اس کی قیمت میں یکبارگی سو فی صد اضافے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ رخسانہ صدیق، لاہور

▫ تمام تحریریں اچھی تھیں، خاص کر مسعود احمد برکاتی صاحب کی تحریر ففٹی ففٹی اور علی مرتضیٰ کی کہانی زبان کی قیمت بہت پسند آئیں۔ شمسادا احمد زخمی، کراچی

▫ حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ بہت پسند آیا۔
صائمہ حفیظ، گوجرانوالہ

▫ اس شمارے میں سب کہانیاں اچھی تھیں۔ نظمیں بھی خوب صورت تھیں۔ رحمان احمد صدیقی، کراچی

▫ میں ایک غریب والدین کا بیٹا ہوں۔ والد صاحب سے بہ مشکل پانچ رُپے لے کر ہمدرد نونہال خریدتا ہوں اور اس سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔ یہ رسالہ ہے تو اچھا! اسی لیے اسے ترک نہیں کرسکتا۔ نعمان غنی، اوکاڑہ

▫ یہ شمارہ دل چسپ تھا اس میں تمام کہانیاں بہترین تھیں۔ اور خاص طور پر شیر کے دانتوں میں گوشت بہترین تھی۔
غلام حسین، جامشورو

▫ جاگو جگاؤ کو پڑھا اور اس پر عمل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ کہانیوں میں ایک پُرعزم لڑکی، زبان کی قیمت اچھی تھیں۔ اپنی پہچان (جمیلہ رانی، شہداد پور) بہت اچھی تھی۔ مار کر دکھانا بہت اچھا مذاق تھا۔ دادا اور منزل بھی معیاری تھیں۔ بزم ہمدرد نونہال پڑھ کر حکیم صاحب کے بڑے بھائی کا نام پتا چلا۔
راحموان احمد، محمد عالم، غلام مصطفےٰ، جمشید اقبال، ڈگری

▫ گلدستہ اور نظمیں بہت اچھی تھیں۔
ریحانہ مجید، کراچی

▫ سام پہ کیا گزری، مہاتی ناول بھی بہت اچھا لگا۔
سید فاروق حسین ہاشمی، کراچی

▫ سرورق بہت پسند آیا۔ تمام کہانیاں پسند آئیں۔ لطیفے شان دار تھے۔ مصطفےٰ محمد یاسین، لاہور

▫ فروری کا نونہال بہت اچھا اور داد طلب تھا۔ غریب کا حوصلہ بہت اچھی کہانی تھی۔ سلطان احمد، جھڈو

▫ جاگو جگاؤ نے بہت متاثر کیا۔ ستار احمد مغل، جھڈو

□ مجھے نونہال بہت پسند ہے۔ سلیم شاہ، کراچی

□ فروری کا شمارہ بہت پسند آیا۔

رضا احمد ہمدانی، پشاور

□ سرورق بہت اچھا تھا۔ سلسلے وار کہانی سام پہ کیا گزری کا پہلا ٹکڑا بہت پسند آیا۔ سلسلے وار کہانی شروع کرنے کا بہت شکریہ۔ لطیفے اچھے تھے اور نظم راشد منہاس بہت پسند آئی۔

شکیل خان، میرپور خاص

□ ایک پُرعزم لڑکی اور عقل مند فقیر بہت پسند آئیں۔

مختار احمد انجم پروانہ و دوست، اوچ شریف ۔ عارفہ جمیل، کراچی

□ نئے سال کا دوسرا شمارہ دل کو بہت بھایا۔

عشرت ذاکر، کراچی

□ خلافِ معمول تازہ شمارے میں کہانیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ محمد اکرم سیالوی، تحصیل ننکانہ صاحب

□ جناب مسعود احمد برکاتی کی پہلی بات بہت پسند آئی۔

نبیل احمد خان، دھابیجی

□ "زبان کی قیمت، بادشاہ کا فیصلہ اور مراٹھی کہانی دادا" بہت اچھی کہانیاں ہیں۔ یہ واقعی اس قابل تھیں کہ اتنے پیارے نونہال میں شامل ہو سکیں۔ فوزیہ برلاس، ڈیرہ اسماعیل خان

فروری کا شمارہ جب جھومتا ہوا میرے ہاتھوں میں آیا تو سرورق دیکھ کر مشیر صدیقی صاحب کو خراجِ تحسین دینا پڑا۔ اپنا نام گلدستہ اور دانہ دانہ میں دیکھ کر خوشی ہوئی۔

مشتاق رحمت اللہ، کراچی اور خالد جبین جسرانی، شہداد کوٹ

□ مہاتی ناول کی پہلی قسط سام پہ کیا گزری بے حد پسند آئی۔ میرزا ادیب کی کہانی 'ایک پُرعزم لڑکی کی کہانی' بھی اچھی لگی۔

عصمت کرن، نیو کراچی اور شمائلہ برلاس، ڈیرہ اسماعیل خان

□ یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ آدھی ملاقات میں کوئی ایسا خط نہ تھا جو جگہ کی کمی کے باعث شائع نہ ہو سکا۔ اپنے پچھلے خط پر عمل ہوتا دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔

حبیب رحمانی، نئی کراچی

□ جاگو جگاؤ تو پھر سے بہت پسند آیا۔ اتنی اچھی تحریر پر حکیم صاحب موصوف کو بہت دلی مبارک باد پیش کر دیجیے گا۔

ساجد سلطان، کراچی

□ اپنی پہچان، زبان کی قیمت، ففٹی ففٹی اور عقل مند تاجر بہت پسند آئیں۔ سام پہ کیا گزری کوئی خاص سلسلہ نہیں ہے۔

سید عبدالرحمٰن پاشا، کراچی

□ سرورق بہت پسند آیا۔ کہانیوں میں میرزا ادیب کی 'ایک پُرعزم لڑکی کی کہانی' اور جمیلہ رانی کی 'اپنی پہچان' بہت پسند آئیں۔ مراٹھی کہانی دادا بھی بہترین تحریر تھی۔

محمد صابر محمود، ہوسڑی اور محمد حسن رضا گوندل، منڈی بہاؤالدین

□ سلسلے وار کہانی سام پہ کیا گزری پسند آئی۔ ہوائی جہاز کی کہانی دل چسپ تھی۔ چند عظیم شخصیتیں بہت اچھی تحریر تھی۔ آپ نے ذہنی آزمائش کے عنوان سے اچھی تحریریں شائع کیں۔ یہ کافی دل چسپ تھیں۔ میں نے بھی کوشش کی کہ ان تصویروں کو دیکھ کر سائنس دانوں کے نام لکھوں۔ عامر سعید، پپلاں

نصرت جہاں، کراچی اور محمد ادریس، ڈیرہ اسماعیل خان

□ کہانیوں میں اپنی پہچان (جمیلہ رانی) اور زبان کی قیمت (علی مرتضیٰ) بہت پسند آئیں۔ سلسلے وار کہانی 'سام پہ کیا گزری' پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اب اس کی اگلی قسط کا انتظار ہے۔

عبدالحفیظ بلوچ، جنگ شاہی اور رفعت سلیم صدیقی، برنالا

□ مزے دار کہانیاں، رسیلی نظمیں، پیاری پیاری باتیں، میرزا ادیب کے قلم سے لکھی گئی کہانی 'ایک پُرعزم لڑکی کی کہانی' اگرچہ تھی تو اچھی لیکن اختتام اچھا نہیں کیا گیا۔ لطیفے اس دفعہ تمام ہی نئے تھے جنھیں پڑھ کر ہمیشہ کی طرح بوریت کا احساس نہ ہوا، بلکہ مزہ آیا۔ افشاں عثمان، مقام نامعلوم ۔ شازیہ فرحین، کراچی

□ جاگو جگاؤ اور پہلی بات کی تو تعریف کوئی کر ہی نہیں سکتا۔

رابعہ صغیر حسین

□ ٹائیٹل بہت ہی خوب صورت لگ رہا ہے۔

پرنس دیارام مکوانہ، میرپور خاص

□ جاگو جگاؤ نے بہت متاثر کیا۔ خیر ماشاء اللہ خان کوثر

نصر اللہ خان، گلشن غفور خان، حبیب اللہ خان، دولت پور صفن

□ ہوائی جہاز کی کہانی معیاری تھی۔ شاہد الرحمٰن، کراچی

□ نونہال آپ چاہے کسی بھی کاغذ پر چھاپیں۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں، لیکن آٹھ دس رُپے کا نونہال تو بہت مہنگا ہو گا۔

محمد عدیل حفیظ، کراچی

□ تصویریں اچھی تھیں۔ کہانیاں بھی اچھی اور زیادہ تھیں۔ اس دفعہ رسالہ کچھ موٹا تھا۔ مدثر ممتاز، ساہی وال

□ سرورق دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس دفعہ مشہود لقی صاحب نے کمال کر دکھایا۔ نیئر محمود، مانسہرہ

□ جناب میرزا ادیب کی کہانی ایک پُرعزم لڑکی کی کہانی غریب کا حوصلہ (جناب طالب ہاشمی) زبان کی قیمت (علی مرتضیٰ) اپنی پہچان (آنسہ جمیلہ رانی) اور عقل مند فقیر بہت دل چسپ اور سبق آموز کہانیاں تھیں۔ جاوید الرحمان، لانڈھی

□ سرورق میں کوئی خاص جاذبیت نظر نہیں تھی۔ میری طرف سے نونہال کی قیمت جتنی بھی ہو جائے تو میں اس انمول خزانے کو خریدتا ہی رہوں گا۔ عمران نوشیر خان رجوکہ، جڑانوالہ

□ سرورق بہت عمدہ تھا۔ صدف ناز، خالدہ، پروین سومرو، نواب شاہ

□ مہینے دو سے نونہال پڑھنا شروع کیا ہے۔ بے حد پسند آیا۔ اب ہر مہینے نئے شمارے کا انتظار رہتا ہے۔ جاگو جگاؤ اور گلدستہ کے کیا کہنے۔ طیبہ ارشاد اور مدیحہ ارشاد، جیکب آباد

□ ٹائیٹل کسی بھی رسالے کا چہرہ ہوتا ہے اور خوب صورت چہرہ اچھا لگتا ہے۔ مہاتی ناول سام پہ کیا گزری بہت اچھا لگا۔

محمد ارشد صابر، قادر پور راں

□ سرورق بہت ملائم اور خوب صورت تھا۔ کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ اور جس کا مجھے انتظار تھا، یعنی قسط وار کہانی۔ وہ بھی اس شمارے میں شامل تھی۔ معلومات عامہ کے سوال آسان تھے۔

محمود محمد اشرف، کراچی

□ تمام کہانیوں نے دل جیت لیا۔

ظفر احمد قریشی اور تاج محمد جیلانی، ٹنڈو الہ یار

□ تقریباً سب ہی کہانیاں پسند آئیں، لیکن "اپنی پہچان" (جمیلہ رانی، شہداد پور) سب سے نمبر لے گئی۔ عقل مند تاجر خاص تھی۔ سام پہ کیا گزری اپنی مثال آپ تھا۔ اس ماہ نونہال کا سرورق کچھ خاص نہ تھا۔ نونہال کے آخری صفحات میں کہانی "شیر کے دانتوں میں گوشت" پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔

پرنس ممتاز احمد قریشی، مکلی ٹھٹھہ

□ لطیفوں کے عنوان کے علاوہ تمام نئے عنوانات اچھے ہیں۔ فوزیہ محمد ایوب، کراچی

□ اس مہینے کا نونہال بے حد خوب صورت تھا۔ کہانیاں اور لطیفے اچھے تھے۔ ان شاء اللہ اس رسالے کا نام بہت اونچا ہو گا۔

شہلا سراج، کراچی

□ لطیفے پڑھ کر مزہ آگیا۔ ارم یاسمین، کراچی

□ اس دفعہ کا شمارہ بہت خوب صورت اور مزے دار تھا۔

خالد شفیق، جھڈو

□ شیر کے دانتوں میں گوشت، سام پہ کیا گزری، دادا اور زبان کی قیمت کہانیاں بے حد پسند آئیں۔ جاوید بلوچ، کراچی

□ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح کہکشاں تھا۔ کہانیوں میں شیر کے دانتوں میں گوشت، عقل مند فقیر، زبان کی قیمت اور دادا بہت پسند آئیں۔ لطیفے بھی مزے دار تھے۔

شاہد عقیل ناگوری، جھڈو

□ جاگو جگاؤ، زبان کی قیمت، ففتی ففتی اور غریب کا حوصلہ، بہت پسند آئیں۔ شفاعت علی عاجز، اوکھائی بھائیکے

□ کہانیوں میں اپنی پہچان پسند آئی۔ سعدیہ شائق اور محمد صدیق شائق، حیدر آباد

□ اسلامی مسائل کے لیے کوئی صفحہ ہونا چاہیے تاکہ ہم لوگ مسائل کو جان سکیں۔ مسعود احمد خان، کراچی

□ مجھے قسط وار کہانی بالکل اچھی نہیں لگتی، اس لیے آپ قسط وار کہانی بالکل شائع نہ کریں۔ محفوظ کھوسہ، جیکب آباد

□ سلسلے وار کہانی شروع کرنے کا بہت بہت شکریہ۔ اس کی پہلی قسط ہی بہت اچھی تھی۔

اللہ دتہ شمو، ستیانہ بنگلہ

معلوماتِ عامّہ ۲۷۴ کے صحیح جوابات

۱ ۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کی کُنیّت ابو القاسم ہے۔
۲ ۔ ابن انشا، ماہر القادری اور سید آلِ رضا، ان تینوں شاعروں کی وفات کا سنہ ۱۹۷۸ عیسوی ہے۔
۳ ۔ کوہِ قاف روس میں واقع ہے۔
۴ ۔ بھوٹان کے دارالحکومت کا نام تھمپھو ہے۔
۵ ۔ ۱۹۷۶ء میں چین میں ایک زبردست زلزلہ آیا تھا جس میں ۶,۵۵,۰۰۰ آدمی مارے گئے تھے۔
۶ ۔ لندن میں پہلی زیرِ زمین ریلوے سروس ۱۸۶۳ء میں شروع ہوئی تھی۔
۷ ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے مشہور صحابی حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی حبشہ کے رہنے والے تھے۔
۸ ۔ پاکستان، بھارت، سری لنکا اور برما نے ۱۹۴۷ء میں آزادی حاصل کی۔
۹ ۔ آسمانی بجلی سے عمارتوں کو محفوظ رکھنے کا طریقہ بنجمن فرینکلن نے دریافت کیا تھا۔
۱۰ ۔ صحرائے اعظم افریقہ میں واقع ہے۔

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

محمد افسر جبار قریشی
فرحت جبار
محمد راحیل قریشی
امثل جبار
محمد انور جبار قریشی
سبین جبار
عنبرین گلزار علی
شازیہ فاروقی
سید عبدالوہاب پاشا
راشدہ فیروز
سید عبدالسلام پاشا
رفیعہ رحمٰن
جاوید احمد
سنبل گلزار علی
نازش گلزار علی
نوید ظفر انوار
کامران احمد خاں
محمد غیاث احمد صدیقی کاشف
سید عبدالرحمٰن پاشا
نجم السحر حق
کوثر تسنیم حق
سید مطاہر احمد رضوی
راحیل احمد

فیاض احمد سومرو، خیرپور میرس سلیم خاں عادل آزاد، کھپرو ندیم احمد خان زادہ، سکرنڈ سعید اللہ شیخ، خیرپور میرس
نادیہ شیخ، خیرپور میرس وقار نبی غلام نبی، کھپرو نعیم احمد خان زادہ، سکرنڈ میر مہدی رضا ٹالپر، خیرپور میرس
الغفار احمد خان خٹک، میانوالی

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

فیصل خراسانی، کراچی

سید مطاہر احمد رضوی، کراچی

بابر، کراچی

احمد کامران، کراچی

نعمان طاہر، کراچی

محمد عدنان خان، کراچی

سید ساجد رضا، کراچی

سید مشفق حسین رضوی، کراچی

شیریں صدف ابرار، کراچی

عبدالمجید، کراچی

سید عبدالغفار، کراچی

اکبر، کراچی

سید قمر حیدر عابدی، کراچی

جاوید احمد، کراچی

عارف علی، کراچی

زاہد محمود، کراچی

رعنا فاروقی، کراچی

نہال احمد خاں، کراچی

عارف علی، کراچی

جیلانی پاشا، کراچی

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

محمد آصف ولی
محمد ریاض الدین قریشی
محمد زبیر شاہد
وسیم حیدر خواجہ
محمد مبین عزمی
زاہد احمد
شارق شمیم

سانگھڑ

نربان غلام نبی منصوری
بے بس غلام مصطفٰے لغاری بلوچ
ندیم عمر یوسف زئی
بے بس راجیش کھنہ
محمد امین سیف الملوک
طاعت مبین لغاری
غلام رسول پارس

خیر پور میرس

ہارون باقر نقوی
توقیر محمد صدیقی
محمد یونس خاں
صغیر احمد صدیقی

سنجھورو

عاشق حسین نازش
محمد طاہر آرائیں
سید نوید علی ہاشمی

میرپور خاص

عزیز احمد
شکیل احمد
کمال احمد

نوشہرہ

ذوالفقار مہ جبین، جبی
ارشاد احمد بدنصیب، جبی
وحیدہ ضیاء پنڈوری، جبی
ذوالفقار علی ضیاء، جبی

میاں چنوں

تطہیر ناموس

ملتان

ملک سرفراز احمد

ٹنڈو آدم

ثنا قادر
راحت قادر

بورے والا

محمد یونس ستی

کریم پورہ پشاور

حلیمہ عزیز

نونہال لغت

لاحق لَا حِق : پہنچنے والا، چمٹنے والا۔
رجوع رُ جُوْ عْ : جھکنا، مائل ہونا، لوٹنا
متعدی مُتَ عَدْ دِی : حد سے آگے بڑھنے والا، اُڑ کر لگنے والی (بیماری)
گنگ گُنْگ : گونگا۔ وہ شخص جو بول نہ سکے۔
ناؤ نَا وَ : چھوٹی کشتی، ڈونگی۔
اکمل اَکْ مَلْ : زیادہ کامل
صلہ صِ لَا : انعام، بخشش، عوض
مُدّعا مُدْ دَ عَا : غرض، مطلب
بھلامانس بَھلَا مَانَس : شریف، نیک مزاج، سیدھا۔
عداوت عَدَا وَت : دشمنی
گُن گُنْ : خوبی، ہنر، فن
فائز فَا اِ زْ : کام یاب، پہنچنے والا
مادّی مَا دْ دِی : قدرتی، طبعی، مادّہ سے تعلق رکھنے والی
ڈھٹائی ڈِھ ٹَا ئی : بے شرمی، بے حیائی۔
محاذ مُ حَا ذْ : بالمقابل، جنگ کا میدان

شہ پانا شَہ پَانَا : اشارہ پانا، ترغیب پانا۔
گل چھرّے اڑانا گُل چھَرّے اُڑانا : مزے اُڑانا، خوب عیش کرنا
دم بخود دَم بَہ خَود : خاموش، چُپ، ساکت
ترخ کر تَ رْ خْ کَر : جھنجھلا کر، خفگی سے، ناراضی سے، رنجیدہ یا غصہ ہو کر۔
پھل پَھل : ثمر، آلے کی دھار، فائدہ۔
نفسیات نَف سِیَات : وہ علم جس کا تعلق ذہن (نفس) سے ہے۔
مضحکہ مَض حَکَا : ہنسی، ٹھٹھا، تمسخر، مذاق
محو ہونا مَحْوْ : مٹنا، زائل ہونا، کسی خیال میں گم ہونا۔
اوج اَ وْ ج : بلندی، چوٹی، بڑائی، عظمت
مانوس مَا نُو س : اُنس کیا ہوا، خوگر
محال مُ حَا لْ : ناممکن، ان ہونی، مشکل، دشوار
نقش نَقْش : صورت، تصویر، پھول پتی کا کام
فتنہ فِت نَا : آزمائش، گمراہی، اولاد، مال، ہنگامہ، فساد، بغاوت، جھگڑا، ایک قسم کا عطر، نہایت شریر، شوخ

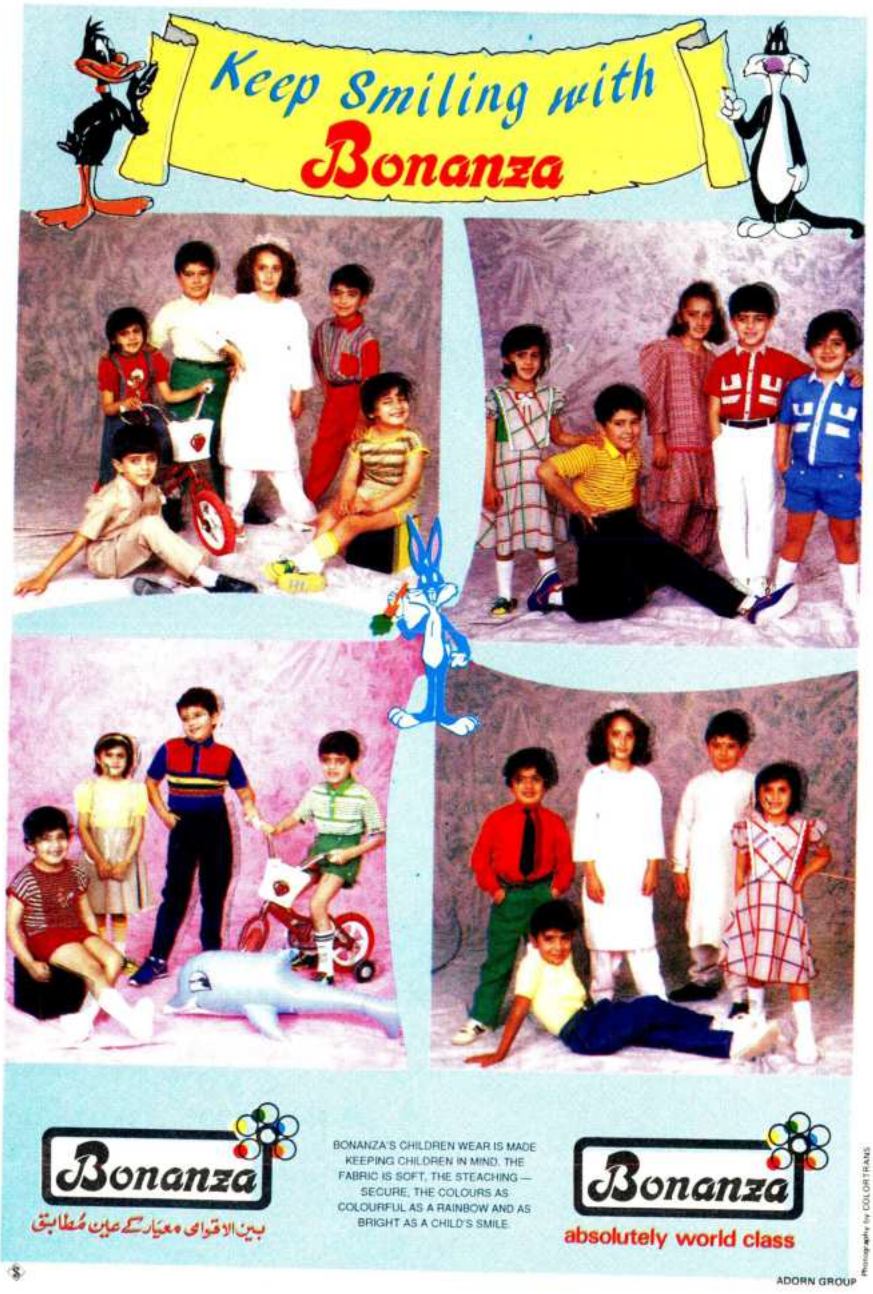
Keep Smiling with
Bonanza
Bonanza
بین الاقوامی معیار کے عین مطابق
BONANZA'S CHILDREN WEAR IS MADE KEEPING CHILDREN IN MIND. THE FABRIC IS SOFT, THE STEACHING — SECURE, THE COLOURS AS COLOURFUL AS A RAINBOW AND AS BRIGHT AS A CHILD'S SMILE.
Bonanza
absolutely world class
ADORN GROUP
Photography by COLORTRANS

اپریل ۱۹۸۹
ہمدرد نونہال
رجسٹرڈ ایم نمبر ۶۹

BBM-1-89-UD SCAN K.T.F.
R-LINTAS